حقیقتِ حج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا

مولانا وحید الدین خاں

حقیقتِ حج

مولانا وحید الدین خاں

Haqeeqat-e-Hajj
By Maulana Wahiduddin Khan

First Published on 1986
Reprinted 2025

This book is copyright free

e-mail: info@goodwordbooks.com
info@cpsglobal.org

Centre for Peace and Spirituality International
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013
e-mail : info@cpsglobal.org
www.cpsglobal.org

Goodword Books
A-21, Sector 4, Noida-201301
Delhi NCR, India
e-mail: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Printed in India

فہرست

پہلا حصہ	5
آیات واحادیث	6
آیات	6
احادیث	7
رسول اللہ کا حج	14
ایک سبق	27
خطبہ حجۃ الوداع	31
دوسرا خطبہ	33
دوسرا خطبہ	35
تشریح	36
دوسرا حصّہ	39
حقیقتِ حج	40
خدا کی طرف سفر	41
عبادتوں کا سردار	42
حج کا پیغام	44
چند پہلو	48
حج مبرور	51
قابل غور	52
حج ایک تاریخ ساز عمل	54
حج کی دعوتی اہمیت	72
حج کی تاریخ	72
حج ایک دعوتی ادارہ	74
حج ذریعۂ اتحاد	77
حج ایک زندہ عمل	77
حج کی تنظیم نو	79
ایک ضروری شرط	83
حج کا عاطفی پہلو	85
علم الانسان کی شہادت	85
شعائر اللہ	87
ملاقاتِ خداوندی	91
مصیبت میں راحت	94
غیر معمولی سفر	95
فیض بقدر استعداد	96
چند تاثرات	97

تجدید ایمان	100
حج اور اتحاد	102
توحید کا عالمی مرکز	102
عمومی اعلان	104
فطری انداز	106
حج کی اجتماعیت	107
حج کی تاریخ	110
مرکز اتحاد	112
پرہیزگاری کا سبق	116
مزید اہتمام	117
کلام میں احتیاط	119
جارحیت سے پرہیز	120
پابند زندگی	120
خود فراموشی	121
تیسرا حصہ	125
مسائل حج	126
مدینہ کی حاضری	129
ممنوعات حج	132
ترتیب حج	133
اصطلاحاتِ حج	134
مقامات حج	137

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا حصہ

آیات واحادیث

حج کی ادائیگی (بشرط استطاعت) تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ وہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک لازمی رکن ہے۔ یہاں حج کے فریضے سے متعلق کچھ آیتیں اور حدیثیں نقل کی جاتی ہیں:

آیات

- وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (3:97)۔ یعنی، اور لوگوں پر بیت اللہ کا حج اللہ کا حق ہے، جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اور جو شخص انکار کرے تو اللہ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (3:96)۔ یعنی، پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہان کے لیے رہنما۔

- وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (22:27-29)۔ یعنی، اور لوگوں میں حج کے لیے پکار دو، وہ پیدل چل کر اور دُبلے اونٹوں پر سوار ہو کر چلے آئیں دور کی راہوں سے۔ تاکہ وہ اپنے فائدہ کی جگہوں پر پہنچیں اور معلوم دنوں میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے

انھیں دیے ہیں۔ پس تم اس میں سے کھاؤ اور محتاجوں کو کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ وہ اپنا میل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم گھر کا طواف کریں۔

- الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ (2:197)۔ یعنی، حج کے متعین مہینے ہیں۔ پس جس نے حج کا عزم کرلیا تو پھر اس کو حج کے دوران نہ کوئی فحش بات کرنی ہے اور نہ گناہ کی اور نہ لڑائی جھگڑے کی۔ اور جو نیک کام تم کروگے اللہ اس کو جان لے گا اور تم زادِ راہ لو۔ بہتر زادِ راہ تقویٰ کا زادِ راہ ہے اور اے عقل والو، مجھ سے ڈرو۔

احادیث

- بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَان (صحیح البخاری، حدیث نمبر 8؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 16)۔ یعنی، اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھنا۔
- أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ، فَحُجُّوا (صحیح مسلم، حدیث نمبر 3236)۔ یعنی، اے لوگو، اللہ نے تمہارے اوپر حج فرض کیا ہے تو تم حج کرو۔
- مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1521؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1350)۔ یعنی، جو

شخص اللہ کے لیے حج کرے پھر وہ نہ کوئی فحش بات کرے اور نہ کوئی گناہ کرے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل آئے گا جیسے کہ وہ اس دن تھا جب کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

- الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1773؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1349)۔ یعنی، ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔
- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ: إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ. قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مَبْرُورٌ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 26؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 83)۔ یعنی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ پر اور رسول پر ایمان۔ پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد۔ پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا۔ فرمایا کہ حج مبرور (یعنی وہ حج جس کے ساتھ گناہ شامل نہ ہو)۔
- سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدُ اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ الْغَازِي وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ (سنن النسائی، حدیث نمبر 2624)۔ یعنی، حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ کے وفد تین ہیں: غازی اور حاجی اور عمرہ کرنے والا۔
- عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيهِ

وسلم: مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ،أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا (مسند الدارمی، حدیث نمبر 1811) ۔یعنی، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی کھلی ہوئی ضرورت حج سے نہ روکے اور نہ کوئی ظالم بادشاہ یا کوئی سخت مرض روکے اور وہ حج کیے بغیر مرجائے تو وہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے۔

- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا يُوجِبُ الحَجَّ؟ قَالَ: الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ(سنن الترمذی، حدیث نمبر 813) ۔یعنی، حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول، کیا چیز حج کو واجب کرتی ہے۔آپ نے فرمایا کہ زادِراہ اور سواری۔
- عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلاَ عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا (سنن الترمذی، حدیث نمبر 812) ۔یعنی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس زادِسفر اور سواری ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دے اور وہ حج نہ کرے تو وہ خواہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔
- عن ابن عباسٍ، قال قال رسولُ اللّٰه صلَّی اللّٰه علیه وسلم مَنْ أرادَ الحَجَّ فلْیَتَعجَّلْ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1732) ۔یعنی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کرنا چاہتا ہو وہ جلدی کرے۔

- عن ابنِ عمرَ، قال: قام رجلٌ إلى النبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: من الحاجُّ يا رسولَ اللّٰه؟ قال: "الشَّعِثُ التَّفِلُ" فقامَ رجلٌ آخَرُ، فقال: أيُّ الحجِّ أفضلُ يا رسولَ اللّٰه؟ قال: "العَجُّ والثَّجُّ". فقامَ رجلٌ آخرُ، فقال: ما السَّبيلُ يا رسولَ اللّٰه؟ قال"الزَّادُ والرَّاحِلَةُ" (سنن الترمذی، حدیث نمبر 3243)۔ یعنی، حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے خدا کے رسول، حاجی کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پراگندہ بال اور بودار۔ ایک دوسرا شخص اٹھا اور کہا کہ کون سا حج افضل ہے، آپ نے فرمایا، بآواز بلند لبیک کہنا اور جانور قربان کرنا۔ پھر ایک اور شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ پھر ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ اس کی سبیل کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ زاد سفر اور سواری۔
- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِي طَرِيقِهِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَجْرَ الْغَازِي وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ (شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر 3806)۔ یعنی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے ارادے سے نکلے پھر وہ راستہ میں مرجائے تو اللہ اس کے لیے غازی اور حاجی اور عمرہ کرنے والے کا اجر لکھ دے گا۔
- عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الجِهَادِ، فَقَالَ: جِهَادُكُنَّ الحَجُّ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 2875)۔ یعنی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔

- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ أَهْلُ اليَمَنِ يَحُجُّونَ وَلاَ يَتَزَوَّدُونَ، وَيَقُولُونَ: نَحْنُ المُتَوَكِّلُونَ، فَإِذَا قَدِمُوا مَكَّةَ سَأَلُوا النَّاسَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: **وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى** (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1523)۔ یعنی، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یمن کے لوگ حج کرتے تھے اور زادِ سفر نہیں لیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں۔ جب وہ مکہ آتے تو لوگوں سے سوال کرتے۔ چنانچہ اللہ نے یہ آیت (2:197) اتاری کہ "تم لوگ زادِ راہ لے لیا کرو۔ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے"۔
- إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ؛ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ عز وجل (سنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر 9646)۔ یعنی، کعبہ کا طواف کرنا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اور جمعرات پر کنکریاں مارنا یہ سب صرف اللہ کی یاد قائم کرنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔
- الْحَجُّ مَرَّةٌ، فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ (مسند احمد، حدیث نمبر 2642)۔ یعنی، حج زندگی میں ایک بار ہے، پھر جو زیادہ کرے تو وہ تطوع (نفل) ہے۔
- مَنْ قَدَرَ عَلَى الْحَجِّ فَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا (المغنی لابن قدامہ، جلد 14، صفحہ 170)۔ یعنی، جو شخص حج کرنے پر قادر ہو پھر بھی وہ حج نہ کرے تو چاہیے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے۔
- عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَلْ عَلَى النِّسَاءِ مِنْ جِهَادٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيهِ، الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ (مسند احمد، حدیث نمبر 25322)۔ یعنی، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کیا عورتوں پر جہاد ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ ان پر ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں۔ وہ ہے حج اور عمرہ۔

- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ لَمْ يَحْجُجْ، أَيَسْتَقْرِضُ لِلْحَجِّ؟ قَالَ: لا (مسند الشافعی، حدیث نمبر 745)۔ یعنی، حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے حج نہیں کیا ہے، کیا وہ حج کے لیے قرض لے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا، نہیں۔
- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ حَاجًّا بِنَفَقَةٍ طَيِّبَةٍ، وَوَضَعَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ، فَنَادَى: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، نَادَاهُ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، زَادُكَ حَلَالٌ، وَرَاحِلَتُكَ حَلَالٌ، وَحَجُّكَ مَبْرُورٌ غَيْرُ مَأْزُورٍ، وَإِذَا خَرَجَ بِالنَّفَقَةِ الْخَبِيثَةِ، فَوَضَعَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ، فَنَادَى: لَبَّيْكَ، نَادَاهُ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ، زَادُكَ حَرَامٌ وَنَفَقَتُكَ حَرَامٌ، وَحَجُّكَ غَيْرُ مَبْرُورٍ (المعجم الاوسط، حدیث نمبر 5228)۔ یعنی، جب آدمی پاک مال کے ساتھ حج کے لیے نکلتا ہے اور اپنا پاؤں رکاب میں رکھتا ہے تو وہ کہتا ہے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، اس وقت آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ لبیک، خوش آمدید، تمہارا زادِ سفر حلال اور تمہاری سواری حلال ہے اور تمہارا حج مبرور ہے۔ اس میں گناہ شامل نہیں۔ اور جب آدمی ناپاک مال کے ساتھ حج کے لیے نکلتا ہے اور وہ اپنا پاؤں رکاب میں رکھتا ہے اور کہتا ہے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔ اس وقت آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ نہ لبیک اور نہ خوش آمدید۔ تمہارا زادِ سفر حرام ہے۔ تمہارا مال حرام ہے اور تمہارا حج غیر مبرور ہے۔
- اللهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوَى، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تُحِبُّ

وَتَرْضَى، اللهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ (السنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر 10316)۔ یعنی، اے اللہ ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری مانگتے ہیں اور وہ عمل جس کو تو پسند کرے۔ اور جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے۔ اور تو ہی گھر (اور مال) کی خبر گیری کرنے والا ہے۔

- لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالمُلْكَ، لاَ شَرِيكَ لَكَ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1549، صحیح مسلم، حدیث نمبر 1184)۔ یعنی، حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں ۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہے اور بادشاہی میں تیرا کوئی شریک نہیں۔
- اللهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُورًا، وَذَنْبًا مَغْفُورًا (مسند احمد، حدیث نمبر 4061)۔ یعنی، خدایا، میرے اس حج کو تو حج مبرور بنا دے اور اس کو میرے گناہوں کی بخشش بنا دے۔

رسول اللہ کا حج

حج کی عبادت کا نظام حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے قائم فرمایا تھا۔ اس کے بعد اگرچہ اس نظام میں بہت سے بگاڑ پیدا ہوئے، تاہم اس کا رواج برابر باقی رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں پیدا ہوئے تو حج جاہلی رسوم کی آمیزش کے باوجود پوری طرح زندہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی بار حج ادا فرمایا۔ تاریخی اعتبار سے اس سوال کے دو حصے ہیں۔ ایک ہجرت سے پہلے۔ دوسرا ہجرت کے بعد۔ ثانی الذکر حصہ کے بارے میں ہم کو مکمل معلومات حاصل ہیں۔ مگر جہاں تک اول الذکر حصہ کا معاملہ ہے اس کی بابت قطعی معلومات حاصل نہیں۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار حج کا فریضہ ادا کیا جس کو عام طور پر حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ ہجرت سے پہلے آپ مکہ میں مقیم تھے۔ روایات سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کے زمانۂ قیام میں بھی آپ نے حج کا فریضہ ادا کیا۔ مگر اس کی قطعی تفصیل نہیں ملتی۔ سنن الترمذی (حدیث نمبر 826) اور ابن ماجہ (حدیث نمبر 3076) میں ہے کہ آپ نے ہجرت سے پہلے دو حج ادا کیے۔ صحیح مسلم (حدیث نمبر 1253) میں صرف ایک حج کا ذکر موجود ہے۔ بعض محدثین کا قول ہے کہ آپ اہل مکہ کی عادت کے مطابق ہر سال حج ادا کرتے تھے۔ طبقات ابن سعد (جلد 2، صفحہ 157) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے بعد آپ نے ایک حج کے سوا اور کوئی حج ادا نہیں کیا۔ ایک طرف ہجرت سے قبل حج کے بارے میں اتنی کم معلومات ہیں اور دوسری طرف حجۃ الوداع کے بارے میں اتنی تفصیلی روایات ملتی ہیں کہ اس کے متعلق اول سے آخر تک مکمل ڈائری مرتب کی جاسکتی ہے۔

اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ زمانہ کا فرق ہے۔ ہجرت سے پہلے آپ کی حیثیت ایک ناقابلِ ذکر شخصیت کی تھی۔ لوگوں کی نظر میں آپ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ مگر حجۃ الوداع آپ کی آخری عمر میں اس وقت پیش آیا جب کہ آپ کی حیثیت عرب کے فاتح کی ہو چکی تھی۔ آپ کی زندگی کے دو دَوروں کا یہی فرق ہے جس کی بنا پر آپ کے ابتدائی حج کے واقعات کو تاریخ نے باقاعدہ ریکارڈ نہیں کیا۔ اور آپ کے آخری حج کو تاریخ نے اتنی تفصیل کے ساتھ ریکارڈ کیا کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزء بھی غیر مذکور نہیں۔

روایات کے ذخیرہ میں حجۃ الوداع کی جو تفصیلات بکھری ہوئی ہیں ان کو بعض مولفین نے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

السیرۃ النبویہ	امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر
زادالمعاد	علامہ شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ
شرح المواہب اللدنیہ	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی
حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الشیخ محمد زکریا کاندھلوی

ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حج کا بیان مختصر طور پر نقل کیا جاتا ہے:

حجۃ الوداع 10ھ میں پیش آیا۔ اس کے تقریباً دو ماہ بعد مدینہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ آپ کے اس حج کو حجۃ الوداع اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ نے منیٰ میں اور عرفہ کے خطبہ میں اس وقت کے اہل ایمان کو وداع کہا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اس سال کے بعد آئندہ اس جگہ تم سے میری ملاقات نہ ہو سکے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حج مختلف پہلوؤں سے اہمیت رکھتا تھا۔ اسی لیے اس کو کئی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً حجۃ الوداع، حجۃ السلام، حجۃ البلاغ، حجۃ الکمال، حجۃ التمام۔

مکہ رمضان 8ھ میں فتح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 8 اور 9ھ میں حج کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ البتہ آپ کی ہدایت کے مطابق 9ھ میں تین سو مسلمانوں کی ایک جماعت نے مدینہ سے مکہ جا کر حج ادا کیا۔ اس جماعت کے امیر حضرت ابوبکر صدیق تھے۔ اس حج میں عرب کے مشرکین بھی شریک تھے۔ مگر سورہ التوبہ میں نازل شدہ حکم کے مطابق 9ھ کے حج میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ سے کسی مشرک کو حج کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ یہ اعلان حضرت علی نے کیا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 369)۔

اگلے سال 10ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ اسی کے ساتھ تمام قبائل میں اہتمام کے ساتھ اطلاعات بھیج دی گئیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ آپ کے ساتھ شریک ہوسکیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے بعد حج کی عبادت اگرچہ جاری تھی۔ مگر اس میں بہت سی جاہلی رسمیں شامل ہوگئی تھیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ بڑی تعداد میں لوگ آپ کو حج کے اعمال کرتے ہوئے دیکھ لیں اور آئندہ اسی کے مطابق حج ادا کرتے رہیں۔ اس قسم کے اعمال ہمیشہ دیکھ کر ہی سمجھ میں آتے ہیں، لفظوں میں بتانے سے سمجھ میں نہیں آتے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ اپنی سواری پر تھے اور رمی جمار کر رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو، حج کے طریقے مجھ سے سیکھ لو۔ شاید اس سال کے بعد میں دوبارہ حج نہ کرسکوں (السنن الکبریٰ للنسائی، حدیث نمبر 4002)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر حج کی خبر اطراف ملک میں پھیلی تو لوگ آنا شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ مدینہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ آپ 25 ذی قعدہ 10ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بھی لوگ اس قافلہ میں شریک ہوتے رہے۔ آپ

اس طرح مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ آپ کے چاروں طرف آدمیوں کا ہجوم تھا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میری نگاہ جہاں تک جاتی تھی مجھے ہر طرف انسان ہی انسان دکھائی دیتے تھے۔ مکہ پہنچ کر یہ مجمع تقریباً سوا لاکھ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس اونٹنی پر سوار تھے جس کا نام قصواء تھا۔ یہ ایک غیر معمولی قسم کی تیز رفتار اونٹنی تھی۔ تاہم اس وقت اس کے اوپر جو کجاوہ بندھا ہوا تھا۔ اس کی قیمت چار درہم سے زیادہ نہ تھی۔ گویا ضرورت کی حد تک اعلیٰ معیار اور جہاں ضرورت کی حد ختم ہو جائے وہاں صرف سادگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے پہلے ظہر کی چار رکعتیں لوگوں کے ساتھ پڑھیں۔ آپ نے ایک تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ احرام باندھنے کے فرائض و آداب کیا ہیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو اہل مدینہ کی میقات ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے رات گزاری۔ اگلے دن آپ نے غسل کیا۔ ظہر کی نماز دو رکعت ادا کی۔ اور حج و عمرہ (قران) کا احرام باندھا۔ پھر تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالمُلْكَ، لاَ شَرِيكَ لَكَ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1549؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1184)۔ یعنی، حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہے اور بادشاہی میں تیرا کوئی شریک نہیں۔

اس طرح آپ مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں کوئی ٹیلہ ملتا تو اس پر چڑھ کر آپ بلند آواز سے اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہتے۔ گویا کہ یہاں سے آپ سارے عالم کے سامنے اللہ کی بڑائی کا اعلان کر رہے ہوں۔

آپ 4 ذی الحجہ کو مکہ پہنچے۔ مدینہ سے مکہ کا سفر نو دن میں طے ہوا۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ آپ چلتے ہوئے حرم میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ پر نظر پڑی تو آپ کی زبان مبارک سے نکلا:

اللَّهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هَذَا تَشْرِيفًا، وَتَعْظِيمًا، وَتَكْرِيمًا، وَبِرًّا، وَمَهَابَةً (المعجم الاوسط، حدیث نمبر 6132)۔ یعنی، اے اللہ تو اپنے اس گھر کے شرف اور عظمت اور بزرگی اور ہیبت میں اضافہ فرمایا۔

آپ اپنے ہاتھ کو اٹھا کر تکبیر کہتے اور فرماتے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ، وَمِنْكَ السَّلَامُ، فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ (اے اللہ تو سلامتی ہے، تجھی سے سلامتی ہے، اے ہمارے رب ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ)۔

حرم میں داخل ہو کر آپ نے تحیۃ المسجد کا دوگانہ نہیں پڑھا بلکہ طواف قدوم شروع کر دیا۔ آپ حجر اسود کے پاس آئے اور بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اس کا استلام کیا۔ پھر دائیں طرف سے چل کر سات بار اس کا طواف اس طرح کیا کہ کعبہ آپ کے بائیں طرف تھا۔ طواف کے پہلے تین شوط (پھیرے) میں آپ تیز تیز چلے جس کو رمل کہا جاتا ہے۔ باقی چار پھیروں میں آپ معمول کی چال چلے۔ آپ کے بائیں شانہ پر احرام کی چادر پڑی ہوئی تھی اور دایاں شانہ کھلا ہوا تھا۔ اس طریقہ کو اضطباع کہا جاتا ہے۔ طواف کے دوران جب آپ حجر اسود کے سامنے سے گزرتے تو اس کی طرف اشارہ کر کے اپنی چھڑی سے استلام کرتے۔

حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان یہ دعا ماثور ہے: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (مسند احمد، حدیث نمبر 15399)۔ یعنی، اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔ اسی طرح طواف میں آپ سے بعض اور دعائیں بھی منقول ہیں۔

طوافِ کعبہ سے فراغت کے بعد آپ مقام ابراہیم کے پاس آئے اور قرآن کی یہ آیت پڑھی: وَاتَّخِذُوا مِنۡ مَقَامِ إِبۡرَاهِيمَ مُصَلًّى (2:125) یعنی، اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد حجر اسود کے پاس گئے اور اس کا بوسہ لیا۔ پھر صفا کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب آئے تو فرمایا: إِنَّ الصَّفَا والْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 1218)۔ یعنی، بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ میں اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے شروع کیا ہے۔

پھر آپ صفا پر چڑھے یہاں تک کہ کعبہ دکھائی دینے لگا۔ آپ نے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ الفاظ کہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 1218)۔ یعنی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ساری تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔

پھر آپ صفا سے اتر کر مروہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دونوں پہاڑیوں کے درمیان آپ نے اس طرح سعی فرمائی کہ جب آپ نشیب میں (میلین اخضرین کے درمیان) پہنچے تو دوڑنے لگے۔ نشیب ختم ہوا تو آہستہ چلنے لگے۔ مروہ پہنچ کر آپ اس کے اوپر اتنا چڑھے کہ کعبہ دکھائی دینے لگا۔ یہاں بھی آپ نے تکبیر و تہلیل کی اور دعا مانگی۔ اسی طرح آپ نے صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کیے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے ابتدائی چند پھیرے پیروں پر کیے اور بقیہ پھیرے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر۔ آپ نے ایسا

غالباً اس لیے کیا کہ دور تک پھیلا ہوا مجمع آپ کے عمل کو بخوبی طور پر دیکھ سکے۔ آپ کا ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 4 ذی الحجہ کو مکہ میں مقام ابطح میں اترے تھے۔ یہاں آپ 8 ذی الحجہ تک (چار دن) رہے۔ اور وہیں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قصر کر کے نماز پڑھتے رہے۔ 8 ذی الحجہ کو آپ اپنے تمام اصحاب کے ساتھ منیٰ گئے۔ جاتے وقت کوئی طواف نہیں کیا۔ اس دن ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا کی نمازیں آپ نے منیٰ میں پڑھیں اور رات کو یہیں قیام کیا۔ صبح 9 ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نمرہ (وادیِ عرنہ) کے ایک خیمہ میں اترے۔ صحابہ میں سے کوئی لبیک پکارتا تھا اور کوئی تکبیر کہتا تھا۔ کوئی ایک دوسرے پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔

جب زوال کا وقت آیا تو آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اور میدان عرفہ کے بیچ میں ٹھہرے۔ یہاں موجودہ مسجد نمرہ کی جگہ اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے آپ نے وہ خطبہ دیا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطبہ اور دوسرا خطبہ جو آپ نے منیٰ میں دیا، وہ متفرق طور پر حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان کا مجموعہ اگلے صفحات میں نقل کیا جا رہا ہے۔

یہ جمعہ (9 ذی الحجہ) کا دن تھا۔ جب آپ خطبہ دے چکے تو آپ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔ انھوں نے اذان دی۔ آپ نے ایک اذان اور دو اقامت سے ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے دو دو رکعت پڑھی۔ یہ جمعہ کی نماز نہیں بلکہ ظہر کی قصر نماز تھی۔ کیوں کے آپ نے اس میں قرأت بالجہر نہیں کی۔ فرض کے علاوہ اس موقع پر کوئی سنت یا نفل آپ نے نہیں پڑھی۔

نماز سے فارغ ہو کر آپ عرفات کے اس مقام پر آئے جس کو وقوف کی جگہ کہا جاتا ہے۔ یہاں آپ نے اپنے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے سورج ڈوبنے تک دعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ

اس دن کی دعا بہترین دعا ہے (سنن الترمذی، حدیث نمبر 3585)۔ اس وقت آپ کس قسم کے ربانی احساسات سے بھرے ہوئے تھے، اس کا اندازہ ان کلمات سے ہوتا ہے جو اس وقت آپ کی زبان سے نکل رہے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

”اللهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِي، وَتَرَى مَكَانِي، وَتَعْلَمُ سِرِّي وعلانيتِي، لَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي، أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَجِيرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنبِهِ، أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِينِ وأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ ابتهالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيلِ، وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ وَفَاضَتْ لَكَ عَيْنَاهُ وذَلَّ جَسَدُهُ وَرَغِمَ أَنْفُهُ لَكَ، اللهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي بِدُعائِكَ شَقِيًّا، وَكُنْ بِي دَوْمًا رَحِيمًا، يَا خَيْرَ الْمَسْئُولِينَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ“ (المعجم الكبير للطبرانی، حدیث نمبر 11405)۔ اے اللہ تو میری بات سن رہا ہے اور تو میری جگہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو میرے چھپے اور کھلے کو جانتا ہے۔ میری کوئی بات تجھ سے چھپی ہوئی نہیں۔ میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، تجھ سے فریادی ہوں۔ تیری پناہ چاہتا ہوں۔ پریشان ہوں۔ خوف زدہ ہوں۔ اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کر رہا ہوں۔ تجھ سے بے کس آدمی کی طرح سوال کر رہا ہوں۔ اور گنہ گار اور حقیر انسان کی طرح تیرے سامنے گڑگڑا رہا ہوں۔ اور تجھ سے خوف زدہ اور آفت رسیدہ آدمی کی مانند سوال کرتا ہوں، جیسے وہ شخص جس کی گردن تیرے آگے جھکی ہوئی ہو اور اس کی آنکھیں تیرے لیے بہہ پڑی ہوں، اور اس کا جسم تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ، تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور تو میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم والا بن جا۔ اے تمام مانگے جانے والوں سے بہتر اور اے سب دینے والوں سے اچھا۔

اس اثنا میں لوگ حج کے مسائل پوچھنے آتے تھے۔ کچھ نجدیوں نے پوچھا کہ حج کیا ہے۔ آپ نے فرمایا الْحَجُّ عَرَفَةُ (مسند احمد، حدیث نمبر 18774)۔ یعنی، حج عرفات میں ٹھہرنے کا نام ہے۔ یعنی جو شخص یوم النحر سے پہلے یہاں آجائے اس کا حج ہو گیا۔

قرآن کی یہ آیت یہیں عرفہ میں خطبہ حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (5:3)۔ یعنی، آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔

سورج ڈوبنے کے بعد آپ عرفہ سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ راستہ بھر آپ تلبیہ کرتے رہے۔ مزدلفہ پہنچنے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے لوگوں کو تیز چلنے سے منع فرمایا۔ آپ نے کہا: السَّكِينَةَ أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْإِيضَاعِ (السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث نمبر 9483) یعنی، لوگو، سکون اور اطمینان کے ساتھ چلو۔ دوڑنا کوئی ثواب کی بات نہیں۔ مزدلفہ میں آپ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور اونٹوں کو بٹھانے اور سامان اتارنے سے پہلے مغرب کی نماز ادا کی اس کے بعد جب لوگوں نے سامان اتار لیا تو آپ نے عشاء کی نماز دو رکعت ادا فرمائی۔ یہاں بھی آپ نے ایک اذان اور دو اقامت سے دونوں نمازیں ادا کیں۔ فرض کے علاوہ آپ نے کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے اور صبح تک سوئے۔ صبح اٹھ کر فجر کی نماز آپ نے اول وقت پڑھی۔ یہ ذی الحجہ کی دس تاریخ تھی۔ پھر آپ سواری پر بیٹھے اور مشعر حرام آئے۔ یہاں قبلہ کی طرف رخ کر کے دعا اور تضرع کرتے رہے، یہاں تک کہ پوری طرح اجالا ہو گیا۔ سورج نکلنے سے پہلے آپ مزدلفہ سے روانہ ہوئے۔ آپ برابر تلبیہ کرتے رہے۔ فضل بن عباس آپ کے پیچھے سوار تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ رمی جمار

کے لیے یہاں سے سات کنکریاں چن لیں۔

جب آپ وادیٔ مُحسر میں پہنچے تو لوگوں سے کہا کہ یہاں سے تیزی سے گزر جاؤ۔ اپنی اونٹنی بھی آپ نے تیز کردی۔ وادی محسّر وہ جگہ ہے جہاں اصحاب فیل پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا۔ آپ چلتے رہے، یہاں تک کہ آپ منیٰ پہنچ گئے۔ پھر آپ جمرۃ العقبہ آئے۔ یہاں آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مکہ آپ کے بائیں طرف تھا اور منیٰ داہنی طرف۔ آپ نے سواری پر بیٹھے ہوئے سورج نکلنے کے بعد ایک کے بعد ایک سات کنکریاں ماریں جس کو رمی کہا جاتا ہے۔ ہر کنکری کے ساتھ آپ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ رمی جمار کے بعد آپ نے تلبیہ موقوف کیا۔ اس کے بعد آپ منیٰ واپس ہوئے۔ آپ نے دین کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان فرمایا:

- اعْبُدُوا رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَصُومُوا شَهْرَكُمْ، وَأَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ، تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ (مسند احمد، حدیث نمبر 22258)۔ یعنی، اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور پانچ وقت کی نماز پڑھو اور رمضان کے مہینہ کے روزہ رکھو اور اپنے صاحب امر کی اطاعت کرو، اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ۔

منیٰ میں آپ نے ایک خطبہ دیا۔ یہ اہم خطبہ عرفہ کے خطبہ سے مشابہ تھا۔ یہ تکرار غالباً اس لیے تھی کہ جس نے وہاں نہ سنا ہو وہ یہاں سن لے۔ اور اچھی طرح یاد کرلے۔ یہاں آپ نے جن باتوں کا اعلان فرمایا ان میں سے یہ بھی تھا:

- لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى (مسند احمد، حدیث نمبر 23489)۔ یعنی، کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت نہیں۔ اور کسی کالے کو کسی سرخ پر فضیلت نہیں اور کسی سرخ کو کسی

کالے پر فضیلت نہیں۔فضیلت کا مدار صرف تقویٰ پر ہے۔

نیز آپ نے فرمایا:

- أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بَلَدِكُمْ هَذَا أَبَدًا، وَلَكِنْ سَتكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِي بَعْضِ مَا تَحْتَقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَيَرْضَى بِهَا (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 3055)۔یعنی، سُن لو، شیطان اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں قیامت تک اس کی پرستش کی جائے۔مگر تم ایسے کاموں میں اس کی پیروی کروگے جس کی تمہاری نظر میں اہمیت نہ ہوگی اور وہ اس سے راضی ہو جائے گا۔

اس کے بعد آپ منیٰ میں مقام نحر (قربانی کی جگہ) پر گئے۔یہاں آپ نے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے۔آپ کی عمر 63 سال ہوئی۔اس کے بعد آپ رکے اور حضرت علی سے کہا کہ سو اونٹ میں جو تعداد باقی ہے اس کو تم پورا کر دو۔قربانی سے فارغ ہو کر آپ نے معمر بن عبد اللہ (حجام) کو بلایا اور اپنے بال منڈائے جس کو حلق کہا جاتا ہے اور ناخن کتروائے۔عورتوں کو آپ نے صرف تقصیر (بال کتروانے) کا حکم دیا۔مونڈنے سے منع فرمایا۔اس کے بعد آپ اپنی سواری پر بیٹھ کر مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔آپ نے فرمایا کہ قربانی مقام نحر کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی کی جاسکتی ہے۔قربانی کا گوشت آپ نے تھوڑا سا پکوا کر کھایا اور بقیہ خیرات کر دیا۔آپ نے لوگوں سے کہا کہ قربانی کا گوشت کھاؤ اور کھلاؤ اور جب تک چاہے اس کو سکھا کر رکھو۔

10 ذی الحجہ کو آپ مکہ پہنچے۔یہاں آپ نے ظہر سے پہلے طواف افاضہ کیا جس کو طواف زیارت بھی کہا جاتا ہے۔اس طواف میں آپ نے رمل اور اضطباع نہیں کیا اور نہ سعی کی۔اس کے بعد آپ زمزم کے کنویں کے پاس آئے اور کھڑے ہو کر زمزم پیا۔اس وقت حسب

دستور خاندان عبد المطلب کے لوگ پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے۔ اس کے بعد آپ اسی روز منیٰ کے لیے واپس ہو گئے۔ رات آپ نے منیٰ میں گزاری۔

اگلے روز 11 ذی الحجہ کو آپ منیٰ میں سورج ڈھلنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب زوال کا وقت آیا تو آپ سواری سے اتر کر رمی جمار کے لیے گئے۔ پہلے آپ نے جمرہ اولیٰ پر ایک کے بعد ایک سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد کچھ دیر تک دعا کرتے رہے۔ اور پھر جمرۂ وسطیٰ پر اسی طرح کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد پھر کچھ دیر تک دعا کرتے رہے۔ ہر کنکری پر آپ اللہ اکبر فرماتے رہے۔ اس کے بعد جمرۃ العقبہ کے قریب جا کر اس کو سات کنکریاں ماریں۔ پھر آپ وہاں سے ہٹ گئے۔

اس کے بعد 12 ذی الحجہ اور 13 ذی الحجہ (ایام تشریق کے تینوں دن تک) آپ منیٰ ہی میں رہے۔ منیٰ میں آپ نماز قصر بغیر جمع پڑھاتے رہے۔ 13 ذی الحجہ کو زوال کے بعد مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ نے وادی محصّب (ابطح) کے ایک خیمہ میں قیام کیا۔ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں یہیں پڑھیں، رات کو یہیں آرام کیا۔ رات کو پچھلے پہر اٹھ کر حرم گئے اور کعبہ کا طواف (طواف الوداع) کیا اور وہیں فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد قافلہ کو سفر کا حکم دیا۔ سب لوگ اپنے اپنے مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ مہاجرین اور انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ میں داخل ہونے سے لے کر نکلنے تک آپ کا قیام کل دس دن رہا۔

جب ذوالحلیفہ (مدینہ کے قریب) پہنچے تو آپ ٹھہر گئے اور رات یہاں گزری۔ صبح کو طلوع آفتاب کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے۔ جب آپ کی نظر سواد مدینہ پر پڑی تو آپ نے تین بار تکبیر کہی اور فرمایا:

اللّٰہُ أَکْبَرُ، لاَ إِلَہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ لاَ شَرِیكَ لَہُ، لَہُ المُلْكُ وَلَہُ الحَمْدُ، وَھُوَ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1797؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1344)۔ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے۔ اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے، اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا، اور اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔

حضرت اسامہ بن شُریک کہتے ہیں کہ منیٰ میں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ کوئی شخص کہتا کہ اے خدا کے رسول، میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی۔ کوئی کہتا کہ میں نے رمی جمار سے پہلے حلق کرالیا۔ کسی نے کہا کہ میں نے پہلے قربانی کی اور اس کے بعد رمی کیا۔ اسی طرح لوگ مختلف مسائل پوچھتے رہے۔ آپ اس قسم کے سوالات کے جواب میں فرماتے: لاَ حَرَجَ، لاَ حَرَجَ (کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں)۔ حرج کی بات تو یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو بے عزت کرے۔ ایسا ہی شخص ظالم ہے۔ اسی نے حرج والا کام کیا اور ہلاک ہوا۔

”عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَأْتُونَهُ، فَمَنْ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، سَعَيْتُ قَبْلَ أَنْ أَطُوفَ أَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا أَوْ أَخَّرْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُولُ: لَا حَرَجَ لَا حَرَجَ، إِلَّا عَلَى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ، فَذَلِكَ الَّذِي حَرِجَ وَهَلَكَ“ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2015)۔

ایک سبق

حجۃ الوداع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ادا فرمایا اس میں ہمارے لیے بہت سے نہایت اہم سبق ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اجتماعی زندگی ہمیشہ روایات کے اوپر چلتی ہے۔ روایات کو توڑنا اجتماعی زندگی میں ناقابل تلافی خلل پیدا کر دیتا ہے۔ اس لیے اجتماعی زندگی میں جو کچھ کیا جائے روایات کو توڑے بغیر کیا جائے۔ روایات کو توڑ کر کام کرنا پیغمبرانہ طریقہ کے مطابق نہیں۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ بِالْمَدِينَةِ تِسْعَ سِنِينَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ أَذَّنَ فِي النَّاسِ بالحجِّ فِي الْعَاشِرَةِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِينَةَ بَشَرٌ كَثِيرٌ فَخَرَجْنَا مَعَهُ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر 14705)۔ یعنی، حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں نو سال رہے مگر آپ نے حج ادا نہیں کیا۔ پھر ہجرت کے دسویں سال اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے جانے والے ہیں چنانچہ مدینہ میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ پھر ہم آپ کے ساتھ حج کے لیے نکلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے دس سال تک حج کیوں نہیں ادا فرمایا۔ ابتدائی سالوں میں بظاہر قریش کی طرف سے مزاحمت کا اندیشہ تھا جیسا کہ حدیبیہ کے موقع پر انھوں نے آپ کو عمرہ کرنے سے روکا۔ مگر رمضان 8ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو اس کے بعد یہ رکاوٹ ختم ہو چکی تھی۔ فتح مکہ کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 8ھ اور 9ھ میں حج ادا نہیں کیا۔ آپ صرف 10ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے دو ماہ بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ اس تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ حج کے نظام میں مطلوبہ اصلاح روایات کو توڑے بغیر انجام دی جائے۔

کیلنڈر دو قسم کے ہیں۔ ایک قمری، دوسرا شمسی۔ قمری کیلنڈر چاند کے بڑھنے اور گھٹنے

کے اعتبار سے مقرر ہوتا ہے۔ جس کا ہر آدمی براہِ راست مشاہدہ کر رہا ہے۔ شمسی کیلنڈر علم الحساب کے ماہرین سورج کی گردش کا ریاضیاتی شمار کر کے بناتے ہیں۔ بالفاظ دیگر، قمری کیلنڈر فطری کیلنڈر ہے اور شمسی کیلنڈر حسابی کیلنڈر۔

عبادات کے نظام کے لیے اللہ تعالیٰ نے قمری کیلنڈر کو پسند فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ قمری کیلنڈر افضل یا مقدس ہے۔ جس خدا نے چاند کی گردش مقرر کی ہے اسی خدا نے سورج کی گردش بھی مقرر کی ہے۔ پھر ایک مقدس اور دوسرا غیر مقدس کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کا سبب دراصل عملی ہے، نہ کہ اعتقادی۔ عبادات میں فطری سادگی کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اسی لیے عبادات کو قمری کیلنڈر کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جو ایک روایت میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

عَن ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ، لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا، وَعَقَدَ الْإِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ وَالشَّهْرُ هَكَذَا، وَهَكَذَا، وَهَكَذَا۔ يَعْنِي تَمَامَ ثَلَاثِينَ مرّةً تسعٌ وعِشرونَ ومَرّةً ثلاثونَ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1913؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1080)۔ یعنی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم ناخواندہ لوگ ہیں۔ ہم نہ لکھتے اور نہ حساب کرتے۔ مہینہ یوں ہے اور یوں ہے اور یوں ہے۔ اور آپ نے تیسری بار انگوٹھے کو موڑا، پھر فرمایا کہ مہینہ یوں ہے اور یوں ہے اور یوں ہے۔ یعنی پورے تیس۔ کسی بار 29 دن کا اور کسی بار 30 دن کا۔

قمری مہینہ کی بنیاد چاند کی رویت پر ہے۔ اس لیے وہ کبھی 29 دن کا ہوتا ہے اور کبھی 30 دن کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سادہ طور پر اس طرح سمجھایا کہ آپ نے

دونوں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر تین بار دکھائیں، یعنی 10+10+10 (کل 30)۔ پھر دوسری بار آپ نے دونوں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر تین بار دکھائیں۔ آخری بار ایک ہاتھ کا انگوٹھا سمیٹ لیا، یعنی 9+10+10 (کل 29)۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قمری مہینہ کوئی دینی مہینہ ہے اور تمام معاملات کا حساب قمری کیلنڈر کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اس کا تعلق دراصل عبادتی امور سے ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ عبادات کے معاملہ میں قمری تاریخوں کا لحاظ کیا جائے گا تاکہ ہر آدمی بآسانی اس کا اتباع کر سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا نظام بنایا تو اسی مصلحت کی بنا پر اس کو قمری مہینہ کی بنیاد پر بنایا۔ مگر قریش مکہ جو کعبہ کے متولی تھے انھوں نے بعد کو اپنے تجارتی مفاد کی خاطر یہ چاہا کہ حج کا نظام شمسی کیلنڈر کی بنیاد پر مقرر کریں تاکہ حج کی تاریخیں ہمیشہ ایک ہی موسم میں پڑیں۔ اس کے لیے انھوں نے بعض دوسری قوموں سے کبیسہ (Intercalation) کا اصول لیا اور اس کو حج کے معاملہ میں رائج کر دیا۔

شمسی سال 365 دن کا ہوتا ہے اور قمری سال 354 دن کا۔ یعنی دونوں کے درمیان گیارہ دن کا فرق ہے۔ ہر آٹھ سال میں یہ فرق تقریباً تین مہینہ کا ہو جاتا ہے۔ اہلِ عرب یہ کرتے تھے کہ قمری مہینوں میں فرق کے بقدر دنوں کا اضافہ کرتے رہتے تھے تاکہ دونوں مہینے ساتھ ساتھ چلتے رہیں۔ اس طرح قمری مہینے اپنے جگہ سے ہٹتے رہتے تھے۔ یہ چکر 33 سال میں پورا ہوتا تھا۔ چنانچہ 33 سال میں مسلسل ایسا ہوتا کہ حج اپنی اصل تاریخوں کے بجائے دوسری تاریخوں میں آتا تھا اور 34 ویں سال میں پہنچ کر وہ دوبارہ اصل ابراہیمی تاریخ (ذی الحجہ) میں پڑتا تھا۔

رمضان 8ھ میں مکہ فتح ہوا تو یہ 33 سالہ دَورا اپنے آخری مرحلہ میں تھا۔ یعنی 8ھ اور 9ھ

کا حج تو سابقہ طریقہ پر ذی قعدہ کے مہینہ میں پڑ رہا تھا۔ مگر 10 ھ میں 33 سالہ دَور پورا ہوکر حج عین اپنی اصل تاریخ میں آرہا تھا۔ یعنی ذی الحجہ میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعتبار سے دین ابراہیمی کے مجدد تھے۔ آپ اللہ کی طرف سے اس پر مامور تھے کہ حج کے نظام کو دوبارہ ابراہیمی بنیاد پر قائم کریں۔ 8 ھ میں فاتح مکہ کی حیثیت سے آپ اس کا اعلان کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے اس وقت ایسا نہیں کیا۔ اسی طرح 9 ھ میں آپ کے لیے ممکن تھا کہ حج کو ابراہیمی تاریخوں میں ادا کیے جانے کی ہدایت جاری کر دیں۔ مگر اب بھی آپ خاموش رہے۔ یہ ضروری کام آپ نے 10 ھ میں کیا جب کہ حج کی تاریخ اپنے آپ ابراہیمی تاریخوں میں پہنچ گئی تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ 8 ھ اور 9 ھ میں ایسا کرنے کے لیے صدیوں کی قائم شدہ روایات کو توڑنا پڑتا۔ جب کہ 10 ھ میں روایات کو توڑے بغیر یہ مقصد اپنے آپ حاصل ہو رہا تھا۔ سماجی زندگی میں روایات کی بیحد اہمیت ہوتی ہے۔ اس لیے پیغمبر کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ روایات کو توڑے بغیر اپنا مقصد حاصل کیا جائے۔ آپ نے 10 ھ میں حسب قاعدہ ابراہیمی تاریخ پر حج ادا فرمایا اور پھر یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ اب ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

یہی وہ حکمت ہے جو رسول خدا کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

”عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا“ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 5550؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1679)۔

یعنی، اے لوگو! زمانہ گھوم گیا۔ پس آج کے دن وہ اپنی اس ہیئت پر ہے جس دن کہ اللہ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا تھا۔ اور مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔

یعنی 33 سالہ چکر پورا ہوکرآج 9 ذی الحجہ دوبارہ 9 ذی الحجہ کو پڑ رہا ہے۔ یہی نظامِ قدرت کے مطابق ہے۔ اب سابقہ مصنوعی کیلنڈر ختم کیا جاتا ہے۔ آئندہ اسی قدرتی کیلنڈر کے مطابق ہر سال ذی الحجہ میں حج ادا کیا جاتا رہے گا۔

خطبہ حجۃ الوداع

حجۃ الوداع کا خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اہم ترین تقریر ہے۔ یہ وہ خطبہ ہے جو آپ نے 9 ذی الحجہ 10ھ کو عرفات کے میدان میں دیا تھا۔ حجۃ الوداع گویا زمانۂ نبوت کا سب سے بڑا اسلامی اجتماع تھا۔ اس موقع پر تقریباً سوا لاکھ اصحاب رسول جمع تھے۔ اس وقت اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ قبل آپ نے یہ خطبہ دیا۔ اس میں آپ نے ان تمام باتوں کا آخری اعلان فرمایا جس کے لیے آپ مبعوث کیے گئے تھے۔

حدیث کی کتابوں میں حجۃ الوداع کا نہایت تفصیلی تذکرہ ہے۔ مگر خطبہ حجۃ الوداع کسی روایت میں ایک کامل متن کی صورت میں مذکور نہیں۔ مختلف روایتوں میں اس کے متفرق اجزاء ملتے ہیں۔ متعدد اہل علم نے ان اجزاء کو جوڑ کر ایک مجموعہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

یہ خطبہ ایک لفظ میں خدا کی عظمت اور انسان کی مساوات کا اعلان تھا۔ آپ نے بتایا کہ انسانوں کے درمیان صحیح تقسیم صرف ایک ہے اور وہ خدا پرست ہونے اور خدا پرست نہ ہونے کی ہے۔ اس کے سوا دوسری تمام تقسیمات مصنوعی ہیں۔ آپ نے انہیں باطل ٹھہرایا اور امت کو ذمہ دار بنایا کہ وہ ہمیشہ اس کا اعلان کرتی رہے۔

اس اعلان کا ایک عملی اظہار یہ تھا کہ جس وقت سوا لاکھ انسانوں کے درمیان آپ نے عظمتِ خداوندی اور مساوات انسانی کا یہ خطبہ دیا اس وقت آپ کے سب سے زیادہ قریب دو آزاد شدہ غلام تھے۔ ایک بلال حبشی جو آپ کی سواری کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ اور دوسرے اسامہ بن زید جو آپ کے سر پر کپڑے کا سایہ کیے ہوئے تھے۔

ذیل میں یہ اہم خطبہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اولاً خطبۂ نبوی کا عربی متن اور اس کے بعد اس کا اردو ترجمہ۔

نص الخطبة التی خطبها رسول اللّٰہ یوم عرفة

”إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، وَأَوَّلُ دَمٍ أَضَعُهُ دِمَاؤُنَا: دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَرْضَعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُهُ رِبَانَا: رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، اتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ، وَإِنَّ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَإِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ (وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ) وَأَنْتُمْ مَسْؤُلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟“ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ رِسَالَاتِ رَبِّكَ وَنَصَحْتَ لِأُمَّتِكَ وَقَضَيْتَ الَّذِي عَلَيْكَ فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: ”اللَّهُمَّ اشْهَدْ اللَّهُمَّ اشْهَدْ“

(المنتقی لابن الجارود، جلد 1، صفحہ 123؛ مستدرک الحاکم، حدیث نمبر 321)۔

ترجمہ

بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال تمہارے اوپر حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ

دن تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں حرام ہے۔ سن لو کہ جاہلیت کے معاملے کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ہے اور جاہلیت کے تمام خون باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلا خون جو میں درگزر کرتا ہوں وہ ہمارا خون، ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ وہ بنو سعد میں دودھ پلانے والی دائی کے پاس تھا تو اس کو ہذیل نے قتل کیا۔ اور جاہلیت کے تمام سود باطل ہیں۔ اور سب سے پہلا سود جو میں باطل کرتا ہوں وہ ہمارے خاندان کا سود، عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سب کا سب باطل ہے۔ تم لوگ عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے۔ اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ سے حلال کیا ہے۔ اور ان کے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو، جس کا آنا تمہیں پسند نہیں، نہ آنے دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مار سکتے ہو جو ظاہر نہ ہو۔ اور تمہارے اوپر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کو معروف طریقہ پر کھانا اور کپڑا دو۔ اور میں تمہارے درمیان ایک چیز چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑو گے تو تم گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز خدا کی کتاب ہے۔ اور تم سے میری بابت پوچھا جائے گا۔ تو تم کیا کہو گے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پہنچا دیا اور ادا کر دیا اور خیر خواہی کی۔ آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر اس کو لوگوں کی طرف کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ۔

دوسرا خطبہ

نص الخطبة التی خطبها رسول اللّٰہ فی اوسط أیام التشریق

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ، هَلْ تَدْرُونَ فِي أَيِّ يَوْمٍ أَنْتُمْ؟ وفِي أَيِّ شَهْرٍ أَنْتُمْ؟ وَفِي أَيِّ بَلَدٍ أَنْتُمْ؟ قَالُوا: فِي يَوْمٍ حَرَامٍ، وَشَهْرٍ حَرَامٍ، وَبَلَدٍ حَرَامٍ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ

وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَهُ، ثُمَّ قَالَ: "اسْمَعُوا مِنِّي تَعِيشُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، إِنَّهُ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ دَمٍ، وَمَالٍ وَمَأْثَرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِي هَذِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمُ (ابْنِ) رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي لَيْثٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ رِبًا كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَإِنَّ اللَّهَ قَضَى أَنَّ أَوَّلَ رِبًا يُوضَعُ، رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ، لَا تَظْلِمُونَ، وَلَا تُظْلَمُونَ، أَلَا وَإِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، ثُمَّ قَرَأَ: **إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ**، أَلَا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ، وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَكُمْ، فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ، لَا يَمْلِكْنَ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا، وَإِنَّ لَهُنَّ عَلَيْكُمْ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ حَقًّا: أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا غَيْرَكُمْ، وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِأَحَدٍ تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ خِفْتُمْ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ "وَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَإِنَّمَا أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللَّهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ أَلا وَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا إِلَى مَنْ ائْتَمَنَهُ عَلَيْهَا، وَبَسَطَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: "أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟" ثُمَّ قَالَ: "لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَسْعَدُ مِنْ سَامِعٍ" (**مسند احمد، حدیث نمبر** 20695)۔

دوسرا خطبہ

اے لوگو! تم کیا جانتے ہو کہ تم کس مہینہ میں ہو اور تم کس دن میں ہو اور تم کس شہر میں ہو۔ لوگوں نے کہا کہ حرام دن اور حرام شہر اور حرام مہینہ میں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے اوپر اسی طرح قیامت تک کے لیے حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ اور تمہارا یہ شہر حرام ہے۔ پھر فرمایا، میری بات سنو اور اس کے مطابق زندگی گزارو۔ خبردار، ظلم نہ کرنا۔ بے شک کسی مسلمان آدمی کا مال لینا جائز نہیں، الّا یہ کہ وہ راضی ہو۔ سنو، جاہلیت کا ہر خون اور مال اور شرف قیامت تک کے لیے میرے دونوں قدموں کے نیچے ہیں، پہلا خون جو درگزر کیا جاتا ہے وہ ربیعہ ابن حارث ابن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون ہے۔ وہ بنوسعد میں دودھ پلانے والی دائی کے پاس تھا تو اس کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ جاہلیت کے تمام سود باطل کیے گئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلا سود جو باطل کیا جائے وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ تمہارے لیے تمہارا راس المال (principal sum) ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے اوپر کوئی ظلم کیا جائے۔ سنو، زمانہ گھوم گیا (پس وہ آج) اسی نقطہ پر ہے جس دن کہ خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: خدا کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں، خدا کی کتاب میں، جس دن کہ اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے محترم ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے، پس تم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو (9:36)۔ سنو، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ سنو، شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے اس کی عبادت کریں، لیکن آپس میں تم کو برانگیختہ کر کے وہ اپنا مقصد حاصل کرے گا۔ اور عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ وہ تمہاری دست نگر ہیں۔ وہ اپنے لیے کچھ نہیں کرسکتیں اور تمہارے اوپر ان کا حق ہے اور ان کے اوپر تمہارا حق

ہے، یہ کہ تمہارے بستر پر وہ تمہارے سوا کسی اور کو نہ آنے دیں اور نہ ایسے شخص کو تمہارے گھر میں آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ پھر اگر تم ان سے نافرمانی کا اندیشہ محسوس کرو تو ان کو نصیحت کرو۔ اور ان کو خواب گاہوں میں چھوڑ دو۔ اور ان کو ہلکی مار مارو۔ اور انہیں معروف طریقے پر کھانے اور کپڑے کا حق ہے۔ تم نے ان کو خدا کی امانت کے طور پر لیا ہے۔ اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ سے حلال کیا ہے۔ سنو، جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو صاحب امانت کو واپس کر دے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور فرمایا۔ کیا میں نے پہنچا دیا، کیا میں نے پہنچا دیا۔ پھر آپ نے کہا جو حاضر ہے وہ غیر حاضر کو پہنچا دے کیونکہ بہت سے وہ لوگ جنہیں پہنچایا جائے وہ سننے والوں سے زیادہ خوش بخت ہوتے ہیں۔

تشریح

اس پورے خطبہ کا خلاصہ اس کے اس لفظ میں ہے: أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا (خبردار ظلم نہ کرنا۔ خبردار ظلم نہ کرنا)۔ اس خطبہ کا مقصد ظلم کے ہر دروازہ کو بند کرنا ہے خواہ وہ جھوٹے توہمات کی وجہ سے پیدا ہوا ہو یا غلط قوانین کی وجہ سے یا غرور اور سرکشی کی وجہ سے۔

اس مقصد کے لیے اعلان کر دیا گیا کہ اصولی طور پر ہر آدمی کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو دوسرے کے لیے حرام ہے، اِلّا یہ کہ اللہ کے واضح قانون کی بنا پر اس کا جواز ثابت ہوتا ہو۔ جاہلی روایات اور انتقامی جذبات کے تحت ایک دوسرے کے خلاف جو کارروائیاں کی جاتی ہیں وہ مطلق طور پر ممنوع قرار دی گئیں۔

سودی لین دین کو بالکل حرام قرار دے دیا گیا جو کہ سماج کے مختلف طبقات کے درمیان معاشی ظلم پیدا کرتا ہے۔ نیز دوسرے بالواسطہ طریقوں سے سماجی انصاف میں زبردست رکاوٹ ہے۔ عورتوں کے حقوق کو واضح طور پر متعین کر دیا گیا۔ اور مردوں کو اس

سے روک دیا گیا کہ وہ عورت کو کمزور پا کر انھیں اپنی زیادتی کا نشانہ بنائیں۔

انسانوں کے درمیان باہمی معاملات کے لیے خدا کی کتاب اور رسول کی سنت کو آخری معیار قرار دے دیا گیا۔ لوگوں کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنا ہر جھگڑا قرآن وسنت کے احکام کے ماتحت طے کریں، خواہ قرآن وسنت کا فیصلہ ان کی مرضی کے موافق ہو یا ان کی مرضی کے خلاف۔

مسلمانوں کو ان کی گمراہی کے واحد سب سے بڑے سبب سے روکا گیا، اور وہ آپس کی نزاع ہے۔ خدا نے آخری دین کو اتنا محفوظ اور مستحکم کر دیا ہے کہ اب دین میں بگاڑ کے لیے شیطان کوئی راستہ نہیں پا سکتا۔ البتہ مختلف قسم کے جھوٹے نزاع کھڑے کر کے وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑائے گا۔ مسلمان اگر اس فتنہ سے بچ گئے تو پھر کوئی دوسری چیز انھیں ہر گز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر امانت کی ادائیگی کا احساس پیدا ہو۔ خدا کے دین کو دوسروں تک پہنچانا بھی ادائیگی امانت ہے۔ لوگوں کے اموال کو انھیں لوٹانا بھی ادائیگی امانت ہے۔ اہل شخص کی اہلیت کا اعتراف کر کے اس کے لیے جگہ خالی کر دینا بھی ادائیگی امانت ہے۔ اور مسلمان کو پابند کیا گیا ہے کہ امانت کی ادائیگی کے ہر معاملہ میں وہ پوری طرح امین اور ذمہ دار ثابت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ گویا ایک زندہ پکار ہے۔ وہی حاجی حقیقی معنوں میں حاجی ہے جو حج کے دوران اس پکار کو سنے اور وہاں سے اس حال میں لوٹے کہ یہ خطبہ اس کی پوری زندگی کا لائحۂ عمل بن گیا ہو۔

دوسرا حصّہ

حقیقتِ حج

حج اسلام کا ایک بنیادی رُکن ہے۔ دوسری عبادات کی طرح اس کی اصل روح تقویٰ ہے تاہم اس کی ایک منفرد نوعیت بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کو ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔

حج کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ مقامات حج پر پہنچ سکتا ہے وہ اپنی عمر میں کم از کم ایک بار ضرور وہاں پہنچے۔ وہاں مختلف اعمال کے ذریعہ وہ اپنی کامل عبدیت کا ثبوت دے۔ وہ ابراہیمی سرزمین میں پہنچ کر علامتی طور پر آپ کے اعمال کو دہرائے اور اس طرح اپنے ظاہر و باطن کو ابراہیمی رنگ میں رنگنے کا جذبہ پیدا کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کرنے کے بعد آواز بلند کی تھی کہ اے لوگو، آؤ اور اپنے رب کا حج کرو۔ حج کا سفر اسی ابراہیمی پکار پر لبیک کہنا ہے۔ حج کے موسم میں ہر طرف سے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کی جو صدا بلند ہوتی ہے وہ اسی ندائے ابراہیمی کا جواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے والا حضرت ابراہیم کی پکار پر لبیک کہتا ہوا اللہ کے یہاں حاضر ہو گیا ہے اور اس بات کا منتظر ہے کہ اس کو جو حکم بھی دیا جائے وہ اس کو دل و جان سے پورا کرنے میں لگ جائے۔

حج کے لفظی معنی ہیں قصد کرنا، زیارت کے لیے جانا۔ اسلامی شریعت میں حج سے مراد وہ سالانہ عبادت ہے جس میں آدمی مکہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ عرفات کے میدان میں قیام کرتا ہے۔ اور دوسرے اعمال کرتا ہے جن کو مراسم حج کہا جاتا ہے۔

حج ایک جامع عبادت ہے۔ اس میں مال کا انفاق بھی ہے اور جسم کی مشقت بھی۔ اس

میں اللہ کا ذکر بھی ہے اور اللہ کے لیے قربانی بھی۔ حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں بقیہ عبادتوں کی روح بھی کسی نہ کسی اعتبار سے شامل ہوگئی ہے۔

حج کے فرائض کی ادائیگی کا مرکز بیت اللہ ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ بیت اللہ ایک بندۂ خدا کی اس پوری مومنانہ زندگی کی یاد دلاتا ہے جس کے آغاز میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تاریخ ہے اور جس کے اختتام پر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ۔ بیت اللہ اس واقعہ کا ایک یادگاری نمونہ ہے کہ کس طرح اللہ کا ایک بندہ اللہ کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے۔ کس طرح وہ اپنی زندگی کو اللہ کی مرضی میں ڈھال لیتا ہے۔ کس طرح وہ اللہ کے مشن میں اپنے آپ کو ہمہ تن لگا دیتا ہے یہاں تک کہ اسی حال میں اس کی موت آجائے۔

خدا کی طرف سفر

حج کا سفر خدا کی طرف سفر ہے۔ وہ دنیا کی زندگی میں اپنے رب سے قریب ہونے کی انتہائی شکل ہے۔ دوسری عبادتیں اللہ تعالیٰ کی یاد ہیں، جب کہ حج خود اللہ تعالیٰ تک پہنچ جانا ہے۔ عام عبادت اگر غیب کی سطح پر خدا کی عبادت ہے تو حج شہود کی سطح پر خدا کی عبادت ہے۔

حاجی جب کعبہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ ایسا محسوس کرتا ہے گویا وہ خود رب کعبہ کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ کعبہ کا طواف اس حقیقت کا مظہر ہے کہ بندہ اپنے رب کو پا کر پروانہ وار اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ جب وہ ملتزم کو پکڑ کر دعا کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے گویا اس کو اپنے آقا کا دامن ہاتھ آگیا ہے جس سے وہ بے تابانہ لپٹ گیا ہے اور اپنی ساری بات اس سے کہہ دینا چاہتا ہے۔

حج کی یہ خصوصیت اس لیے ہے کہ اس کے ادا کرنے کی جگہ ایک ایسا مقام ہے جہاں تجلیات الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جس کو خدا نے اس مقصد کے لیے منتخب کیا کہ وہ خدا پرستانہ زندگی کے عظیم داعیِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینی عمل کا مرکز بنے۔ جہاں اسلام کی

بنیاد پر بننے والی تاریخ ثبت ہے۔ جس کے ہر طرف اس مثالی ربانی انقلاب کے آثار پھیلے ہوئے ہیں جو خاتم النبیین کی رہنمائی میں چودہ سو سال پہلے واقع ہوا تھا۔

اس قسم کی روایات اور خصوصیات نے دیارحرم کو غیر معمولی اہمیت دے دی ہے۔ وہاں ایک خاص طرح کا روحانی اور تاریخی ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص بھی وہاں جاتا ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ آدمی حج ادا کرنے کے بعد اس طرح لوٹتا ہے جیسے کوئی گرد وغبار میں لپٹا ہوا آدمی دریا میں نہا کر واپس آئے۔

حج کو اسلامی عبادات میں ایک غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ایک حدیث میں اس کو افضل عبادت کہا گیا ہے۔ تاہم حج کی یہ خصوصی اہمیت اپنی روح کے اعتبار سے ہے، نہ کہ محض اپنے ظاہر کے اعتبار سے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ محض دیارحرم میں جا کر واپس آجانے کا نام حج نہیں ہے بلکہ ان کیفیات کے حصول کا نام حج ہے جن کے لیے یہ فریضہ مقرر کیا گیا ہے۔ حج کے افضل عبادت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حج کو اس کی سچی روح اور صحیح آداب کے ساتھ ادا کرے اس کے لیے حج اس کی سب سے بڑی عبادت بن جائے گا۔

عبادتوں کا سردار

حج حق تعالیٰ سے ملاقات ہے۔ آدمی جب سفر کر کے مقامات حج تک پہنچتا ہے تو اس پر خاص طرح کی ربانی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ "اپنی دنیا" سے نکل کر "خدا کی دنیا" میں پہنچ گیا ہے۔ وہ اپنے رب کو چھو رہا ہے۔ وہ اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ وہ اس کی طرف دوڑ رہا ہے۔ وہ اس کی خاطر سفر کر رہا ہے۔ وہ اس کے حضور اپنی قربانی پیش کر رہا ہے۔ وہ اس کے دشمن پر کنکریاں مار رہا ہے۔ وہ اس سے مانگ رہا ہے جو کچھ وہ مانگنا چاہتا ہے۔ وہ اس سے پا رہا ہے جو کچھ اسے پانا چاہیے۔

کعبہ زمین کے اوپر خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ وہاں بھٹکی ہوئی انسانی

روحوں کو خدا کی آغوش دی جاتی ہے۔ وہاں پتھرائے ہوئے سینوں میں عبدیت کے چشمے جاری کیے جاتے ہیں۔ وہاں بے نور آنکھوں کو خدا کی تجلیات دکھائی جاتی ہیں۔ تاہم سب کچھ اس شخص کے لیے ہے جو اس کی استعداد لے کر وہاں جائے۔ بے استعداد لوگوں کے لیے حج بس ایک قسم کی سیاحت ہے۔ وہ صرف اس لیے وہاں جاتے ہیں تاکہ جیسے گئے تھے ویسے ہی دوبارہ واپس چلے آئیں۔

حدیث میں ارشاد ہوا ہے: الْحَجُّ عَرَفَةُ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 55)۔ یعنی عرفات کے میدان میں قیام حج ہے۔ اس سے عرفات کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ حج کے زمانے میں عرفات کا میدان گویا حشر کے میدان کا منظر پیش کرتا ہے۔ ایک خاص تاریخ کو خدا کے بندے قافلہ در قافلہ چاروں طرف سے آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہ بڑا عجیب منظر ہوتا ہے۔ تمام لوگوں کے جسم پر ایک ہی سادہ لباس (احرام) ہے۔ ہر ایک اپنی امتیازی صفت کو کھو چکا ہے۔ سب کی زبان پر ایک ہی کلمہ جاری ہے لَبَّيْك اللّٰهُمَّ لَبَّيْك، لَبَّيْك اللّٰهُمَّ لَبَّيْك۔ دیکھنے والوں کو یہ دیکھ کر قرآن کی وہ آیت یاد آنے لگتی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے:

> وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ (36:51)۔ یعنی، اور صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ یکا یک قبروں سے اپنے رب کی طرف چلنے لگیں گے۔

عرفات کی یہ حاضری اس لیے ہے کہ آدمی حشر میں خدا کے سامنے اپنی حاضری کو یاد کرے۔ جو کچھ کل عملاً بیتنے والا ہے اس کو آج ہی تصوراتی طور پر اپنے اوپر طاری کر لے۔

حقیقت یہ ہے کہ حج تمام عبادتوں کا سردار ہے۔ کعبہ کا جو درجہ دوسری مسجدوں کے درمیان ہے وہی درجہ حج کا دوسری عبادتوں کے درمیان ہے۔

حج کا پیغام

حج کیا ہے۔ یہ اللہ کے لیے سفر کرنا ہے۔ اپنا وقت اور اپنا مال خرچ کر کے ان مقامات پر پہنچنا ہے جہاں اللہ کی یادگاریں ہیں، جن سے اللہ کے سچے بندوں کی یادیں وابستہ ہیں۔ حج کے تمام مراسم اس بات کا عملی اظہار ہیں کہ آدمی اللہ کے لیے سرگرم ہے۔ اس نے اپنی زندگی اللہ کے گرد گھما رکھی ہے۔ وہ اللہ کے دوستوں کا دوست اور اللہ کے دشمنوں کا دشمن ہے۔ حشر کے میدان میں اللہ کے سامنے حاضری کی کیفیت کو آج ہی اس نے اپنے اوپر طاری کرلیا ہے۔ وہ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اللہ کی یاد کرنے والا ہے۔ وہ اسلام کو ایک عالمی حقیقت بنانے اور اس کو بین الاقوامی سطح پر رواج دینے کے لیے بے قرار ہے۔

حج بظاہر ایک وقتی عبادت ہے۔ مگر دراصل وہ ایک مومن کی پوری مومنانہ زندگی کی تصویر ہے۔ وہ آخری سانس تک کے لیے عبدیت کا اقرارنامہ ہے۔ آدمی اس لیے جیتا ہے تاکہ وہ اپنے رب کے لیے حج کرے۔ اور اس لیے حج کرتا ہے تاکہ وہ اپنے رب کے لیے جیے۔ حج مومن کی زندگی کی تعبیر بھی ہے اور اس کی موت کی تعبیر بھی۔

حج گویا حق تعالیٰ کی زیارت ہے۔ وہ دنیا کی زندگی میں اپنے رب سے قریب ہونے کی انتہائی شکل ہے۔ دوسری عبادتیں اگر اللہ کی یاد ہیں تو حج خود اللہ تعالیٰ تک پہنچ جانا ہے۔

حج کی یہ خصوصیت اس لیے ہے کہ وہ ایسے مقام پر کیا جاتا ہے جس کو اللہ نے مبارک اور ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے (آل عمران، 3:96)۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے کئی خداؤں کو اپنا مرجع بنانے کے بجائے ایک خدا کو اپنا مرجع بنایا۔ اور اس مقصد کے لیے بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر کی جو خدائے واحد کی عبادت کا عالمی مرکز ہے۔ یہی مرکز توحید حج

کے مراسم کی ادائیگی کا مرکز بھی ہے۔ جہاں اسلام کی پوری تاریخ ثبت ہے۔ اس کے ہر طرف ان قابل نمونہ اصحابِ رسول کے نشانات پھیلے ہوئے ہیں جنھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں خدا کے دین کو پہلی بار ایک تاریخی واقعہ بنایا۔

ربانی جدو جہد کی اس تاریخ کی بنا پر مکہ روئے زمین پر اللہ کا سب سے محبوب اور سب سے بہترین مقام ہے (وَاللّٰہِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰہِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰہِ إِلَى اللّٰہِ عز وجل) مسند احمد، حدیث نمبر 18715۔ ان واقعات کی بنیاد پر وہاں اسلام کے حق میں ایک خاص طرح کا تاریخی اور نفسیاتی ماحول بن گیا ہے۔ جو شخص بھی وہاں جاتا ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حاجی اگر تیار ذہن ہو تو حج کے ذریعہ خدا کے ربانی رزق سے ایک ایسا حصہ لے کر لوٹتا ہے جو اس کی بقیہ زندگی میں اس کی دینی توانائی کا ذریعہ بنا رہے۔

حج کو اسلامی عبادات میں ہمیشہ ایک غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے۔ وہ تمام عبادات کا مجموعہ ہے اور تمام عبادات میں زندگی پیدا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم کے ذریعے جو عظیم ربانی منصوبہ زیر عمل آیا، حج کی عبادت گویا اسی کا ایک ریہرسل ہے۔ تاہم اس کی جو کچھ اہمیت ہے وہ اس کی حقیقی روح کے اعتبار سے ہے، نہ کہ محض ظاہری رسوم وآداب کے اعتبار سے۔ دوسرے لفظوں میں حج صرف اس کا نام نہیں ہے کہ آدمی دیارِ حرم میں جائے اور کچھ مخصوص مراسم دہرا کر واپس لوٹ آئے۔ بلکہ حج ان کیفیات کے حصول کا نام ہے جن کے لیے یہ مراسم مقرر کیے گئے ہیں۔ کھانا بلاشبہ آدمی کو طاقت دیتا ہے۔ مگر کھانا اسی شخص کے لیے طاقت ہے جو اس کو قاعدہ کے مطابق اپنے پیٹ میں ڈالے۔ اگر کوئی شخص اس کو محض دیکھے یا اپنے سر پر الٹ لے تو اس کے لیے انتہائی قیمتی غذا بھی بالکل بے فائدہ ثابت ہوگی۔ اسی طرح حج کا حقیقی فائدہ بھی اس شخص کو ملے گا جو حج کو اس طرح کرے جیسا کہ اس کو کرنا چاہیے۔ حج کی حقیقت کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ (2:197)۔ یعنی، حج کے مہینے معلوم ہیں۔ جو شخص ان میں حج کو اپنے اوپر مقرر کر لے تو حج میں نہ فحش بات کرنی ہے، نہ گناہ کی بات اور نہ جھگڑا۔ اور تم جو بھلائی کرو گے، اللہ اس کو جان لے گا۔ اور زادراہ لے لیا کرو۔ سب سے بہتر زادراہ تقویٰ ہے۔ اے عقل والو مجھ سے ڈرو۔

رفث کے معنی ہیں فحش کلامی کرنا۔ فسق کا لفظ تقریباً اسی مفہوم میں آتا ہے جس کے لیے اردو میں کہتے ہیں ’’اس نے انسانیت کا جامہ اتار پھینکا‘‘۔ جدال کے معنی ہیں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا۔ یہ تینوں الفاظ اس برائی کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو عام طور پر زبان سے سرزد ہوتی ہے۔ جب مختلف لوگ اکٹھا ہوتے ہیں تو کوئی ہوس پرست آدمی فحش باتیں کر کے سنجیدہ ماحول کو بگاڑ دیتا ہے۔ کبھی عام عادت کے خلاف کوئی بات پیش آتی ہے اور آدمی اپنا ظاہری لبادہ اتار کر ناحق باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔ کبھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے اور آدمی برداشت نہ کرتے ہوئے اس سے جھگڑنے لگتا ہے۔

حج کا اجتماع اس قسم کی تمام برائیوں سے بچنے کی ایک تربیت ہے۔ ایک ایسا مقام جس سے تقدس اور احترام کی یادیں وابستہ ہیں، وہاں لے جا کر آدمی کو خصوصی طور پر اس کی مشق کرائی جاتی ہے کہ وہ اجتماعی ماحول میں رہتے ہوئے ان برائیوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے آپ کو فواحش اور سطحی دلچسپیوں سے ہٹا کر سنجیدہ چیزوں کی طرف راغب کرے۔ اس کے اندر ہر حال میں حق وصلاح پر قائم ہونے کا مزاج پیدا ہو۔ اجتماعی زندگی میں ناخوش گوار تجربات پیش آنے یا دل کو ٹھیس لگنے کے باوجود وہ اپنے بھائی سے لڑنے کے لیے نہ کھڑا ہو جائے۔

جب بھی چند آدمی کہیں جمع ہوتے ہیں یا مل کر رہتے ہیں تو ایک کو دوسرے سے کوئی نہ کوئی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی صورت حال حج میں زیادہ بڑے پیمانہ پر پیش آتی ہے۔ کیوں کہ حج کے موقع پر مختلف قسم کے لوگ بہت بڑی تعداد میں ایک مقام پر اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حج کے دوران بار بار ایک کو دوسرے سے تکلیف پہنچتی ہے۔ اب اگر لوگ ذاتی شکایتوں کی بنا پر ایک دوسرے سے لڑنے لگیں تو عبادت کی فضا ختم ہو جائے اور حج کا مقصد حاصل نہ ہو سکے۔ اس لیے حج کے زمانہ میں جھگڑنے اور غصہ کرنے کو مطلق حرام قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حج کو ایک بہت بڑی چیز کے لیے تربیت کا ذریعہ بنایا گیا۔ کیوں کہ لڑائی جھگڑا جس طرح حج کو باطل کر دیتا ہے اسی طرح وہ ایک مسلمان کی عام زندگی کو بھی اسلام سے دور کر دینے والا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی ظاہری چیز کو تقویٰ کی علامت سمجھ لیتا ہے اور اس کو اختیار کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے متقیانہ زندگی حاصل کر لی۔ حالاں کہ اصل حقیقت کے اعتبار سے اس کا دل تقویٰ سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ حج کے سفر میں زادِراہ نہ رکھنا تقویٰ کی علامت ہے وہ اس کا خوب اہتمام کرنے لگے۔ مگر زادِراہ کا تعلق ضرورت سے ہے، نہ کہ تقویٰ سے۔

اس قسم کی چیزوں میں آدمی کو اپنی ضرورت کے اعتبار سے تیاری کرنا چاہیے۔ مگر تقویٰ اس سے بالکل الگ چیز ہے۔ اس کا تعلق دل سے ہے (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2564)۔ اللہ کے یہاں کوئی شخص محض اس لیے مقبول نہیں ہو جاتا کہ اس نے خوامخواہ زادِراہ کے بغیر سفر کیا اور اپنے جسم کو غیر ضروری مشقت میں ڈالا۔ اللہ کو دل کا تقویٰ مطلوب ہے۔ حج کے سفر کو تقویٰ کا زادِراہ فراہم کرنے کا ذریعہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہی وہ زادِراہ ہے جو آخرت کے سفر میں آدمی کے کام آئے گا۔ حج کے مسافر اور اسی طرح زندگی کے مسافر کے لیے بہترین

عقل مندی یہ ہے کہ وہ شہوانی باتوں سے بچے، وہ اللہ کی ناپسندیدہ حرکتوں اور لڑائی جھگڑے کی چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

چند پہلو

اکثر حاجیوں کو دیکھا گیا ہے کہ ارکانِ حج کو ادا کرتے ہوئے وہ بس رٹی ہوئی دعائیں دہراتے ہیں یا کتاب ہاتھ میں لے کر اس سے پڑھتے رہتے ہیں۔ حج کی فقہی ادائیگی اگرچہ اس سے ہو جاتی ہے مگر حج کے دوران ذکر و دعا سے جو چیز مطلوب ہے اس کا حق اس طرح ادا نہیں ہوتا۔ حج کے دوران آدمی پر وہ کیفیت گزرنی چاہیے جو حضرت ابراہیم اور ان کے خاندان پر گزری تھی۔ مثلاً جب آدمی سعی کرتا ہے تو اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلنے چاہئیں کہ خدایا تو نے اس سعی کے بعد ہاجرہ کے لیے برکت کا ابدی چشمہ جاری کر دیا تھا، میری سعی کو بھی تو ایسی سعی بنا دے جس کے بعد میرے لیے خیر کے ایسے چشمے جاری ہو جائیں جو دنیا سے آخرت تک مجھے سیراب کرتے رہیں۔

السید سابق نے اپنی مشہور کتاب فقہ السنہ میں بجا طور پر لکھا ہے:

”يُستَحَبُّ لَهُ أَنْ يُكْثِرَ مِنَ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ، وَيَتَخَيَّرَ مِنْهُمَا مَا يَنْشَرِحُ لَهُ صَدْرُهُ، دُونَ أَنْ يَتَقَيَّدَ بِشَيْءٍ أَوْ يُرَدِّدَ مَا يَقُولُهُ الْمُطَوِّفُونَ. فَلَيْسَ فِي ذَلِكَ ذِكْرٌ مَحْدُودٌ، أَلْزَمَنَا الشَّارِعُ بِهِ. وَمَا يَقُولُهُ النَّاسُ مِنْ أَذْكَارٍ وَأَدْعِيَةٍ فِي الشَّوْطِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي، وَهَكَذَا، فَلَيْسَ لَهُ أَصْلٌ. وَلَمْ يُحْفَظْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ، فَلِلطَّائِفِ أَنْ يَدْعُوَ لِنَفْسِهِ، وَلِإِخْوَانِهِ بِمَا شَاءَ، مِنْ خَيْرَيِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ (فقہ السنۃ، جلد اول، صفحہ 694)۔ یعنی، طواف کرنے والے کو چاہیے کہ طواف کے وقت خوب ذکر اور دعا کرے اور ان میں سے جن پر اسے شرح صدر ہو ان کو اختیار کر لے بغیر اس کے کہ اپنے کو کسی

سے مقید کرے یا معلمین کے کہے کو دہراتا رہے۔ کیونکہ طواف میں کوئی متعین ذکر نہیں ہے جس کا شارع نے ہم کو پابند کیا ہو۔ اور عوام جو اذکار اور دعائیں شوط اول، شوط ثانی وغیرہ میں پڑھتے ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔ اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں۔ طواف کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے اور اپنے بھائیوں کے لیے جس طرح چاہے دنیا اور آخرت کی بہتری مانگے۔

حج کے مسائل جو قرآن وحدیث میں ہیں وہ اتنے کم ہیں کہ چند صفحات میں لکھے جا سکتے ہیں۔ مگر فقہاء نے دوسری عبادات کی طرح حج کے بے شمار مسائل وضع کر رکھے ہیں جن کا احاطہ عام آدمی کے لیے ممکن نہیں۔ اس "اضافہ" کے حق میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ حجاج کی سہولت کے لیے کیا گیا ہے مگر اس استدلال میں کوئی وزن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محض فقہی مسائل پڑھ کر کوئی شخص نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ حج کر سکتا ہے۔ یہ کام ایسا ہے جو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے مفصل احکام بتانے کے بجائے یہ فرمایا:

صَلوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (صحیح البخاری، حدیث نمبر 631)۔ یعنی، جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ لوگو مجھ کو دیکھ کر حج کے طریقے سیکھ لو:

خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1984)۔

یہی اصلی طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ نے نماز پڑھی۔ صحابہ کو دیکھ کر تابعین نے۔ تابعین کو دیکھ کر تبع تابعین نے۔ اسی طرح یہ سلسلہ آج تک چلا جا رہا ہے۔ اگر لوگوں کے پاس صرف فقہ کے نام نہاد تفصیلی مسائل ہوتے تو لوگ کبھی صحیح طور پر نماز نہ پڑھ سکتے۔ امام ابوحنیفہ اس فن کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ مگر وکیع کہتے

ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ان سے کہا کہ میں نے مناسک کی ادائیگی میں پانچ غلطیاں کیں۔ پھر ایک حجام نے مجھے بتایا: عَنْ وَكِيعٍ، قَالَ: قَالَ لِي أَبُو حَنِيفَةَ النُّعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ رضي الله عنه:أَخْطَأْتُ فِي خَمْسَةِ أَبْوَابٍ مِنَ الْمَنَاسِكِ، فَعَلَّمَنِيهَا حَجَّامٌ (البصائر والذخائر لابی حیان التوحیدی، جلد 5، صفحہ 131)۔

آج کل حاجیوں میں تقریباً 95 فی صد تعداد زیادہ عمر والوں کی ہوتی ہے۔ ان میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو بے حد بوڑھے ہو چکے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ مناسک حج کو ادا کرنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے لیے بہتر یہ ہے کے وہ اپنا حج بدل کرائیں۔ حج بدل جو موجودہ زمانہ میں مُردوں کے لیے عام ہو گیا ہے وہ شریعت میں اصلاً ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ عَامَ حَجَّةِ الوَدَاعِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ فَرِيضَةَ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لاَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ“ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1854)۔ یعنی، فضل بن عباس کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال بنو خثعم کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حج بندوں کے اوپر خدا کا فریضہ ہے۔ میرا ایک بوڑھا باپ ہے وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کروں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔

حج بدل کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی مر گیا ہو اور یہ وصیت کی ہو کہ میری طرف سے حج ادا کر دینا۔ یہ صورت استنباطی طور پر نکلتی ہے۔

امام مالک کے نزدیک مردہ کی طرف سے حج بدل اسی وقت ہے جب کہ موت سے پہلے اس نے وصیت کی ہو: إِنَّمَا يُحَجُّ عَنْهُ إِذَا أَوْصَى۔ أَمَّا إِذَا لَمْ يُوصِ فَلَا يُحَجُّ عَنْهُ،

لِأَنَّ الْحَجَّ عِبَادَةٌ غَلَبَ فِيهِ جَانِبُ الْبَدَنِيَّةِ، فَلَا يَقْبَلُ النِّيَابَةَ (فقہ السنۃ، جلد 1، صفحہ 637)۔

حج ہر صاحب استطاعت پر عمر میں ایک بار فرض ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے: وَالحَجُّ المَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الجَنَّةُ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1773؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1349)۔

حضرت عمرو بن العاص کی ایک روایت ان الفاظ میں آتی ہے:

"لَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ فِي قَلْبِي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم- فَقُلْتُ: ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلْأُبَايِعْكَ ،فَبَسَطَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَمِينَهُ، فَقَبَضْتُ يَدِي فَقَالَ: مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟ ،فَقُلْتُ: أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ، قَالَ: تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟ قُلْتُ: أَنْ يُغْفَرَ لِي، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟، وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلِهَا؟ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ" (صحیح مسلم، حدیث نمبر 192)۔ یعنی، جب اللہ نے اسلام میرے دل میں ڈالا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں بیعت کروں۔ کہتے ہیں کہ پھر آپ نے ہاتھ پھیلایا۔ مگر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ آپ نے کہا اے عمرو ایسا کیوں۔ میں نے کہا کہ میری ایک شرط ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری کیا شرط ہے۔ میں نے کہا یہ کہ مجھے بخش دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم کو نہیں معلوم کہ اسلام پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور ہجرت پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

حج مبرور

حج مبرور کو اکثر لوگ حج مقبول کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ

ایسا حج جس کے ساتھ گناہ شامل نہ ہو: اَلْحَجُّ الَّذِي لَا يُخَالِطُهُ إِثْمٌ (شرح النووی، جلد9، صفحہ119-118)۔ حسن بصری تابعی نے کہا ہے کہ حج مبرور وہ ہے جس سے آدمی اس طرح لوٹے کہ وہ دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کا شوق اس کے اندر پیدا ہو جائے: اَلْحَجُّ الْمَبْرُورُ أَنْ يَرْجِعَ زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا، رَاغِبًا فِي الْآخِرَةِ (التاریخ الکبیر للبخاری 36:75)۔ حقیقت یہ ہے کہ حج کو اگر صحیح شعور اور جذبہ کے ساتھ کیا جائے تو نہ صرف دورانِ حج آدمی گناہوں سے بچا رہے گا بلکہ وہ اس طرح لوٹے گا کہ ہر برائی سے اس کا دل متنفر ہو اور ہر بھلائی کی طرف اس کے اندر رغبت پیدا ہو چکی ہو۔

قابل غور

ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَاجَّ فِي ضَمَانِ اللّٰهِ مُقْبِلًا وَمُدْبِرًا (الفردوس بماثور الخطاب، حدیث نمبر 2761)۔ یعنی، حاجی اللہ کی نگرانی میں رہتا ہے، حج کے پہلے بھی اور حج کے بعد بھی۔

حاجی کے بارے میں یہ بات کسی پراسرار معنی میں نہیں ہے بلکہ معلوم نفسیاتی معنی میں ہے۔ حج کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایسے خصوصی اسباب مہیا کر رکھے ہیں کہ اس کا ارادہ پیدا ہوتے ہی آدمی کے اندر خدا کی یاد آنے لگتی ہے اور خدا کی طرف خصوصی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص کو نیو یارک کا سفر پیش آئے تو "نیو یارک" کی نسبت سے اس کی نفسیات بننے لگتی ہے۔ اور لوٹنے کے بعد اس کے اوپر "نیو یارک" کا ذہن غالب رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص حج کا سفر کرے تو وہاں جانے سے پہلے اور وہاں سے لوٹنے کے بعد وہ اپنے اندر خاص طرح کی ربانی نفسیات محسوس کرے گا۔

تاہم حج کا یہ فائدہ کوئی مشینی انداز کا نہیں ہے جو لازماً اپنے آپ حاجیوں کو ملتا رہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حاجی کے اندر اس کے موافق استعداد موجود ہو۔ اس طرح کے

تمام فائدوں کا انحصار ہمیشہ آدمی کی اپنی استعداد پر ہوتا ہے۔ استعداد موجود ہو تو فائدہ ملے گا۔ اور اگر استعداد موجود نہ ہو تو فوائد کے سرچشمہ کے درمیان بھی آدمی بےفیض ہو کر رہ جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جوان الفاظ میں آئی ہے:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَحُجُّ أَغْنِيَاءُ أُمَّتِي لِلنُّزْهَةِ وَأَوْسَاطُهُمْ لِلتِّجَارَةِ وَقُرَّاؤُهُمْ لِلرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ وَفُقَرَاؤُهُمْ لِلْمَسْأَلَةِ (تاریخ بغداد، حدیث نمبر 5386)۔ یعنی، لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب کہ مالدار لوگ تفریح کے لیے حج کریں گے۔ اور ان کے درمیانی درجہ کے لوگ تجارت کے لیے حج کریں گے اور ان کے علماء دکھاوے اور شہرت کے لیے حج کریں گے۔ اور ان کے غریب لوگ مانگنے کے لیے حج کریں گے۔

حضرت انس کی یہ روایت بہت ڈرا دینے والی ہے۔ اس کی روشنی میں موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو خاص طور پر اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ انھیں غور کرنا چاہیے کہ ان کا حج اس روایت کا مصداق تو نہیں بن گیا ہے۔ مالدار حضرات سوچیں کہ ان کے حج میں تقویٰ کی روح ہے یا سیر وتفریح کی روح۔ عام لوگ یہ سوچیں کہ وہ دینی فائدے کے لیے حج کرنے جاتے ہیں یا تجارتی فائدے کے لیے۔ علماء غور کریں کہ وہ عبدیت کا سبق لینے کے لیے بیت اللہ جاتے ہیں یا اپنی پیشوایانہ حیثیت کو بلند کرنے کے لیے۔ اسی طرح غریب لوگ سوچیں کہ حج کو انھوں نے خدا سے مانگنے کا ذریعہ بنایا ہے یا انسانوں سے مانگنے کا ذریعہ۔

حج ایک تاریخ ساز عمل

کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو اس میں تردد تھا کہ اسلامی عبادتوں میں کون سی عبادت افضل عبادت ہے۔ جب انھوں نے حج ادا کیا تو اس کے بعد انھوں نے کہا کہ اب مجھے یقین ہوگیا کہ حج تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت ہے۔

حج کی اس فضیلت کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ حج کا تعلق ایک عظیم خدائی منصوبہ سے ہے۔ حج ایک ایسے خدائی منصوبہ کی یادگار ہے جس کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی آخری تکمیل ہوئی۔

حج کے مختلف مناسک اسی خدائی منصوبہ کے مختلف مراحل ہیں جن کو حاجی علامتی طور پر دہراتا ہے۔ حاجی اپنے گھر سے نکل کر حجاز کے لیے روانہ ہوتا ہے جس طرح حضرت ابراہیم عراق سے نکل کر حجاز آئے۔ وہ مکہ کے قریب پہنچ کر سلے ہوئے کپڑے اتار دیتا ہے اور اپنے جسم پر دو چادریں لپیٹ لیتا ہے۔ یہ اسی قسم کی سادہ پوشاک ہے جو اس زمانہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ہوتی تھی۔ حاجی مکہ پہنچتا ہے تو کعبہ کے گرد گھوم کر اس کا چکّر لگاتا ہے۔ یہ وہی طواف ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے عہد خداوندی کی توثیق کے لیے کیا تھا۔ حاجی صفا و مروہ کے درمیان سات بار سعی کرتا ہے۔ یہ حضرت ہاجرہ کی اس دوڑ کی نقل ہے جو انھوں نے اس بیابان میں پانی کی تلاش کے لیے کی۔ حاجی منیٰ جا کر قربانی کرتا ہے، یہ اس قربانی کا علامتی اعادہ ہے جو حضرت ابراہیم نے اولاً بیٹے کے لیے اور اس کے بعد خدا کے حکم سے مینڈھے کے لیے کی تھی۔ حاجی جمرات پر جا کر شیطان کو کنکریاں مارتا ہے۔ یہ اس عمل کی یادگار ہے جو حضرت اسماعیل نے شیطان کی طرف کنکریاں مار کر کہا تھا جب کہ اس نے انھیں بہکانے کی کوشش کی۔ پھر تمام حاجی عرفات کے میدان میں جمع

ہوتے ہیں۔ یہ اس عمل کی آخری صورت ہے جو لبیک اللہم لبیک کی صورت میں ہر حاجی کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔ یہاں تمام حاجی کھلے میدان میں جمع ہو کر اپنے خدا سے اجتماعی عہد کرتے ہیں کہ وہ وہی کریں گے جس کا سبق انھیں حج کی صورت میں دیا گیا ہے۔ وہ اسی میں جئیں گے جس میں وہ لوگ جیے جن کی یادگار میں حج کی عبادت ادا کی جاتی ہے۔

حج کے مناسک کو قرآن میں شعائر کہا گیا ہے (5:2)، یعنی علامتی چیزیں۔ یہ سب دراصل حضرت ابراہیم اور ان کے خاندان پر گزرنے والے واقعات ہیں جو مذکورہ منصوبہ الٰہی کی تکمیل کے دوران پیش آئے۔ ان واقعات کو حاجی علامتی طور پر دہراتا ہے اور اس طرح یہ عہد کرتا ہے کہ وہ بھی اسی تاریخ کا جزء بنے گا۔

حاجی گویا یہ عہد کرتا ہے کہ اگر ضرورت پیش آئی تو وہ اپنی دنیا کو اجاڑ کر حق کی طرف بڑھے گا۔ وہ آرام وراحت کو چھوڑ کر قناعت اور سادگی پر اپنے آپ کو راضی کرے گا۔ وہ خدا کے لیے دوڑے گا اور خدا کے گرد گھومے گا۔ وہ شیطانی بہکاوے کو "پتھر مار" کر اپنے سے دور بھگائے گا۔ خدا کا دین اس کو جہاں لے جائے وہاں وہ جائے گا۔ اور جس چیز کا تقاضا کرے گا اس کو وہ اس کے حوالے کر دے گا۔ وہ عمل کی زبان میں خدا سے کہتا ہے کہ اگر دوبارہ دین کے لیے ضرورت پیش آئی تو وہ اس آخری حد تک جانے کے لیے تیار ہے کہ اپنی اولاد کو ذبح کر کے دین کی ضرورت پوری کرے۔

حضرت ابراہیم کا عراق سے چل کر مکہ آنا اور یہاں مذکورہ واقعات کا پیش آنا ایک عظیم خدائی منصوبہ تھا جو ڈھائی ہزار سال میں بروئے کار لایا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اب سے پانچ ہزار سال پہلے انسانی ذہنوں پر شرک کا اتنا غلبہ ہو گیا تھا کہ زندگی کا کوئی شعبہ شرک سے خالی نہ تھا۔ یہ صورت حال نسل در نسل جاری رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی نسلوں میں شرک کا تسلسل قائم ہو گیا۔ اس زمانہ کی آبادیوں میں جو شخص بھی پیدا ہوتا وہ شرک کا ذہن لے کر پیدا

ہوتا اور اسی پر اس کی پوری اٹھان ہوتی۔ اس بنا پر پیغمبروں کی توحید کی دعوت کسی طرح لوگوں کو اپیل نہیں کرتی تھی۔

اب خدا نے یہ منصوبہ بنایا کہ انسانوں کی ایک ایسی نسل تیار کی جائے جو مشرکانہ ماحول سے الگ ہو کر پرورش پائے تاکہ وہ مشرکانہ تسلسل سے آزاد ہو کر سوچ سکے۔ اس کے لیے شہری آبادیوں سے دور ایک غیر آباد مقام ہی مناسب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے عرب کے خشک علاقہ کا انتخاب کیا گیا جو اس زمانہ میں آباد دنیا سے الگ تھلگ بالکل غیر آباد حالت میں پڑا ہوا تھا۔

اب اس بے آب و گیاہ علاقہ میں ایک نئی نسل تیار کرنے کے لیے وہ پہلا انسان درکار تھا جو موت کی قیمت پر وہاں بسنے کے لیے تیار ہو۔ اس نازک موقع پر حضرت ابراہیم کو خواب دکھایا گیا کہ آپ اپنے نوجوان بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں۔ یہ جسمانی ذبح حقیقۃً صحرائی ذبح کی تمثیل تھی۔ اس کے ذریعہ یہ دیکھنا مقصود تھا کہ کیا ابراہیم اس کے لیے تیار ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خدائی منصوبہ میں اس طرح شامل کریں کہ اپنی محبوب اولاد کو لے جا کر حجاز میں بسا دیں جہاں خشک پہاڑوں اور ریتیلے صحراؤں کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس زمانہ میں حجاز میں بسنا موت کی وادی میں بسنے کے ہم معنی تھا۔

قدیم زمانہ میں حجاز اسی لیے غیر آباد پڑا رہا کہ وہاں پانی اور سبزہ نہ تھا۔ قدیم حجاز کا مشرکانہ تمدن سے پاک رہنا اسی لیے ممکن ہوا کہ وہ زندگی کے سامان سے خالی تھا۔ قدیم حجاز کی وہ خصوصیت جس نے اس کو مشرک انسانوں سے خالی رکھا تھا، اسی نے اس کو اس قابل بنا دیا کہ وہاں موحدین کی ایک نئی نسل تیار کی جائے۔ حضرت ابراہیم کا اپنے نوجوان بیٹے (اسماعیل) کے گلے پر چھری رکھنا اس بات کا اظہار تھا کہ وہ اس قربانی کے لیے آخری طور پر تیار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو اس منصوبہ خداوندی کے لیے

چن لیا گیا اور ان کو قدیم حجاز کے الگ تھلگ علاقہ میں بسا کر ایک نئی نسل تیار کرنے کا عمل شروع کیا گیا۔ تاریخ میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح آتا ہے:

”عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي يَحْيَى، عَنْ مُجَاهِدٍ، وَغَيْرُهُ، مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: ”أَنَّ اللّٰهَ لَمَّا بَوَّأَ إِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ، خَرَجَ إِلَيْهِ مِنَ الشَّامِ، وَخَرَجَ مَعَهُ بِإِسْمَاعِيلَ وَأُمِّهِ هَاجَرَ، وَإِسْمَاعِيلُ طِفْلٌ صَغِيرٌ يَرْضَعُ، وَمَعَهُ جِبْرِيلُ يَدُلُّهُ عَلَى مَوْضِعِ الْبَيْتِ وَمَعَالِمِ الْحَرَمِ. فَكَانَ لَا يَمُرُّ بِقَرْيَةٍ إِلَّا قَالَ: أَبِهَذِهِ أُمِرْتُ يَا جِبْرِيلُ؟ فَيَقُولُ جِبْرِيلُ: امْضِهْ. حَتَّى قَدِمَ بِهِ مَكَّةَ، وَهِيَ إِذْ ذَاكَ عِضَاهُ سَلَمٍ وَسَمُرٍ يَرُبُّهَا أُنَاسٌ يُقَالُ لَهُمُ الْعَمَالِيقُ خَارِجَ مَكَّةَ وَمَا حَوْلَهَا، وَالْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ رَبْوَةٌ حَمْرَاءُ مَدَرَةٌ، فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ لِجِبْرِيلَ: أَهَهُنَا أُمِرْتَ أَنْ أَضَعَهُمَا؟ قَالَ: نَعَمْ. فَعَمَدَ بِهِمَا إِلَى مَوْضِعِ الْحِجْرِ فَأَنْزَلَهُمَا فِيهِ، وَأَمَرَ هَاجَرَ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِ عَرِيشًا، فَقَالَ: ”رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ“ إِلَى قَوْلِهِ: ”لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ“ (**تفسیر الطبری، جلد 2، صفحہ 554**)۔

”وَلَيْسَ بمكة يومئذ أحد، وليس بِهَا مَاءٌ، فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهُمَا جِرَابًا فِيهِ تَمْرٌ، وَسِقَاءً فِيهِ مَاءٌ، ثُمَّ قَفَّى إِبْرَاهِيمُ مُنْطَلِقًا فَتَبِعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، فَقَالَتْ: يَا إِبْرَاهِيمُ! أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا بِهَذَا الْوَادِي الَّذِي ليس فيه إنس ولا شي، فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ مِرَارًا وَجَعَلَ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ: آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَتْ إِذًا لَا يُضَيِّعُنَا، ثُمَّ رَجَعَتْ، فانطلق إبراهيم. حتى إذا كان عند التثنية حَيْثُ لَا يَرَوْنَهُ، اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ ثُمَّ دَعَا بِهَذِهِ الدَّعَوَاتِ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: ”رَبَّنَا إِنِّي

أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" حَتَّى بَلَغَ "يَشْكُرُون" (**تفسیر القرطبی،جلد9،صفحہ 368**)۔

"وَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تُرْضِعُ إِسْمَاعِيلَ وَتَشْرَبُ مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ، حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا فِي السِّقَاءِ عَطِشَتْ وَعَطِشَ ابْنُهَا، وَجَعَلَتْ تَنْظُرُ إِلَيْهِ يَتَلَوَّى- أَوْ قَالَ يَتَلَبَّطُ۔ فَانْطَلَقَتْ كَرَاهِيَةَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَوَجَدَتِ الصَّفَا أَقْرَبَ جَبَلٍ فِي الْأَرْضِ يَلِيهَا، فَقَامَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ اسْتَقْبَلَتِ الْوَادِي تَنْظُرُ هَلْ تَرَى أَحَدًا، فَلَمْ تَرَ أَحَدًا، فَهَبَطَتْ مِنَ الصَّفَا، حَتَّى إِذَا بَلَغَتِ الْوَادِي، رَفَعَتْ طَرَفَ دِرْعِهَا، ثُمَّ سَعَتْ سَعْيَ الْإِنْسَانِ الْمَجْهُودِ، ثُمَّ جَاوَزَتِ الْوَادِي، ثُمَّ أَتَتِ الْمَرْوَةَ فَقَامَتْ عَلَيْهِ، فَنَظَرَتْ هَلْ تَرَى أَحَدًا فَلَمْ تَرَ أَحَدًا، فَفَعَلَتْ ذَلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " فَذَلِكَ سَعْيُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا "فَلَمَّا أَشْرَفَتْ عَلَى الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا فَقَالَتْ: صَهْ! تُرِيدُ نَفْسَهَا، ثُمَّ تَسَمَّعَتْ فَسَمِعَتْ أَيْضًا فَقَالَتْ: قَدْ أَسْمَعْتَ، إِنْ كَانَ عِنْدَكَ غِوَاثٌ! ۔فَإِذَا هِيَ بِالْمَلَكِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَبَحَثَ بِعَقِبِهِ- أَوْ قَالَ بِجَنَاحِهِ- حَتَّى ظَهَرَ الْمَاءُ، فَجَعَلَتْ تُحَوِّضُهُ وَتَقُولُ۔ بِيَدِهَا هَكَذَا، وَجَعَلَتْ تَغْرِفُ مِنَ الْمَاءِ فِي سِقَائِهَا وَهُوَ يَفُورُ بَعْدَ مَا تَغْرِفُ"(**تفسیر القرطبی،جلد9،صفحہ 369**)۔

"وَ ماتَت (ام اسماعیل) فَجَاءَ إِبْرَاهِيمُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ إِسْمَاعِيلُ يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ فَلَمْ يَجِدْ إِسْمَاعِيلَ، فَسَأَلَ امْرَأَتَهُ عَنْهُ فَقَالَتْ: خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا، ثُمَّ سَأَلَهُمْ عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ فَقَالَتْ: نَحْنُ بِشَرٍّ، نَحْنُ فِي ضِيقٍ وَشِدَّةٍ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ، قَالَ: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلَامَ وَقُولِي لَهُ يُغَيِّرُ

عَتَبَةَ بَابِهِ، فَلَمّا جاءَ إِسْمَاعِيلُ كَأَنَّهُ آنَسَ شَيْئًا فَقَالَ: هَلْ جاءَكُمْ مِنْ أَحَدٍ! قَالَتْ: نَعَمْ جاءَنَا شَيْخٌ كَذَا وَكَذَا فَسَأَلَنِي عَنْكَ فَأَخْبَرْتُهُ، وَسَأَلَنِي كَيْفَ عِيشَتُنَا فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا فِي جَهْدٍ وَشِدَّةٍ، قَالَ: فَهَلْ أَوْصَاكِ بِشَيْءٍ: قَالَتْ: أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ السَّلَامَ، وَيَقُولُ: غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ، قَالَ: ذَاكَ أَبِي وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أُفَارِقَكِ الْحَقِي بِأَهْلِكِ، فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرَى، فَلَبِثَ عَنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَتَاهُمْ بَعْدُ فَلَمْ يَجِدْهُ، وَدَخَلَ عَلَى امْرَأَتِهِ فَسَأَلَهَا عَنْهُ فَقَالَتْ: خَرَجَ يَبْتَغِي لنا. قال: كَيْفَ أَنْتُمْ؟ وَسَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ فَقَالَتْ: نَحْنُ بِخَيْرٍ وَسَعَةٍ وَأَثْنَتْ عَلَى اللّٰهِ. قَالَ: مَا طَعَامُكُمْ؟ قَالَتِ: اللَّحْمُ. قَالَ فَمَا شَرَابُكُمْ؟ قَالَتِ: الْمَاءُ. قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ يَوْمئِذٍ حَبٌّ وَلَوْ كَانَ لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيهِ." قَالَ: فَهُمَا لَا يَخْلُو عَلَيْهِمَا أَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ إِلَّا لَمْ يُوَافِقَاهُ" (*تفسير القرطبی، جلد 9، صفحہ* 373)۔

"قَالَ: فَإِذَا جاءَ زَوْجُكِ، فَاقْرَئِي عَلَيْهِ مِنِّي السَّلَامَ، وَأْمُرِيهِ أَنْ يُثَبِّتَ عَتَبَةَ بَابِهِ، فَلَمَّا جاءَ إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: هَلْ أَتَاكِ أَحَدٌ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَتَانَا شَيْخٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ، وَأَثْنَتْ عَلَيْهِ، وَسَأَلَنِي عَنْكَ، فَأَخْبَرْتُهُ، وَسَأَلَنِي عَنْ عَيْشِنَا؟ فَقُلْتُ: إِنَّا بِخَيرٍ، قَالَ: هَلْ أَوْصَاكِ بِشَيْءٍ؟ قَالَتْ: هُوَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ، وَيَقُولُ لَكَ أَنْ تُثَبِّتَ عَتَبَةَ دَارِكَ، قَالَ: ذَلِكَ أَبِي، وَأَنْتِ الْعَتَبَةُ، فَأَمَرَنِي أَنَ أُمْسِكَكِ۔ ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ جاءَ بَعْدَ ذَلِكَ، وَإِسْمَاعِيلُ يَبْرِي نَبْلًا لَهُ، تَحْتَ دَوْحَةٍ، قَرِيبًا مِنْ زَمْزَمَ، فَلَمّا رَآهُ قَامَ، فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ، ثُمَّ قَالَ: يَا إِسْمَاعِيلُ، إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُنِي أَنْ

أَبتَنِيَ بَيْتًا هَاهُنَا، وَأَشَارَ إِلَى أَكَمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ إِلَى مَا حَوْلَهَا، يَأْتِيهَا السَّيْلُ مِنْ نَاحِيَتَيْهَا، وَلَا يَعْلُو عَلَيْهَا، فَقَامَا يَحْفُرَانِ عَنِ الْقَوَاعِدِ، فَعِنْدَ ذَلِكَ رَفَعَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ، فَجَعَلَ إِبْرَاهِيمُ يَأْتِي بِالْحِجَارَةِ، وَإِسْمَاعِيلُ يَبْنِي، حَتَّى إِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ، جَاءَ بِهَذَا الْحَجَرِ، فَوَضَعَهُ لَهُ، فَقَامَ عَلَيْهِ، وَهُوَ يَبْنِي، وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ، وَهُمَا يَقُولَانِ: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (مصنف عبد الرزاق، جلد 4، صفحہ 352)۔

ابن اسحاق روایت کرتے ہیں: مجاہد اور دیگر اہلِ علم نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی جگہ کا پتہ بتایا، تو وہ شام سے نکلے اور اپنے ساتھ اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو لے کر چلے، اس وقت اسماعیل ایک دودھ پیتے بچے تھے۔ ان کے ساتھ حضرت جبریل بھی تھے، جو انہیں بیت اللہ کی جگہ اور حرم کے نشانات کی طرف رہنمائی کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیم جب بھی کسی بستی سے گزرتے تو پوچھتے: "اے جبریل! کیا مجھے یہاں قیام کا حکم دیا گیا ہے؟" تو جبریل جواب دیتے: "چلتے رہیں۔" یہاں تک کہ وہ ان کو لے کر مکہ پہنچے، اور اُس وقت وہاں ببول اور کیکر کے درخت تھے، اور مکہ کے باہر اور اس کے آس پاس عمالیق نامی قوم آباد تھی۔ بیت اللہ (کی جگہ) اس وقت ایک سرخ اونچی زمین تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبریل سے پوچھا: "کیا مجھے ان دونوں کو یہیں ٹھہرانے کا حکم ہے؟" جبریل نے کہا: "ہاں۔" چنانچہ انہوں نے ماں اور بچے کو پتھر کے مقام پر اتارا اور ہاجرہ سے کہا کہ وہ یہاں خیمہ بنالیں۔ اس موقع پر انہوں نے دعا کی (جیسا کہ قرآن میں ہے) "اے ہمارے رب، میں نے اپنی اولاد کو ایک بے کھیتی کی وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے ہمارے رب،

تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور ان کو پھلوں کی روزی عطا فرما، تا کہ وہ شکر کریں" (ابراہیم، 14:37)۔

اُس وقت مکہ میں انسانی آبادی نہ تھی، اور نہ ہی وہاں پانی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہالسلام نے ان کے پاس ایک تھیلا کھجور اور ایک مشکیزہ پانی کا رکھا اور چل دیے۔ حضرت ہاجرہ تیزی سے ان کے پیچھے گئیں اور کہا: "اے ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، جہاں نہ کوئی انسان ہے نہ کوئی چیز؟" انہوں نے کئی بار یہی کہا، مگر حضرت ابراہیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخرکار انہوں نے پوچھا: "کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟" حضرت ابراہیم نے کہا: "ہاں"۔ تب حضرت ہاجرہ نے کہا: "پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔" وہ واپس چلی آئیں، اور حضرت ابراہیم روانہ ہو گئے۔ جب وہ اتنے دور پہنچ گئے جہاں سے وہ ان دونوں کو نظر نہیں آتے تھے، انہوں نے کعبہ کی سمت رخ کر کے دعا کی (جیسا کہ قرآن میں ہے) "اے ہمارے رب، میں نے اپنی اولاد کو ایک بے کھیتی کی وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے ہمارے رب، تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور ان کو پھلوں کی روزی عطا فرما، تا کہ وہ شکر کریں" (14:37)۔

اس کے بعد چند دن اس طرح گزرے کہ حضرت ہاجرہ (کھجور کھاتیں، اور) اسماعیل کو دودھ پلاتیں اور مشکیزہ میں موجود پانی سے پیتی رہیں، یہاں تک کہ مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا۔ پھر انہیں اور شیر خوار اسماعیل کو پیاس لگنے لگی۔ وہ بچے کو تڑپتا ہوا دیکھ کر برداشت نہ کر سکیں اور (پانی کی تلاش میں) اپنے سے قریب ترین پہاڑی صفا پر چڑھ گئیں، وادی کی طرف دیکھا کہ شاید کوئی نظر آئے، مگر کوئی نظر نہ آیا۔ وہ

نیچے اتریں اور جب وادی میں پہنچیں تو اپنی چادر کا کنارہ اٹھایا اور نڈھال (exhausted) انسان کی طرح دوڑنے لگیں۔ پھر وادی کو عبور کر کے مروہ تک پہنچیں اوراس پر چڑھ کر دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی دکھائی دے،لیکن وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔انہوں نے یہ عمل سات مرتبہ دہرایا۔ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''یہی وجہ ہے کہ لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں"۔ساتویں مرتبہ جب وہ مروہ کے اوپر تھیں تو انھوں نے آواز ایک سنی تو انھوں نے اپنے آپ سے کہا: ''خاموش رہو!'' غور کیا تو دوبارہ آواز سنائی دی۔انھوں نے آواز سے مخاطب ہو کہ کہا: میں تمھاری آواز سن رہی ہوں، کیا تم میری مدد کر سکتے ہو۔دراصل وہ ایک فرشتہ تھا، زمزم کے مقام پر۔اس نے اپنی ایڑی (یا اپنے پَر) سے زمین پر مارا یہاں تک کہ پانی ظاہر ہو گیا۔حضرت ہاجرہ فوراًاس کے گرد حوض بنانے لگیں،اوراپ نے مشکیزے میں پانی بھرنے لگیں،مگر مشکیزہ بھرنے کے بعد بھی زمین سے پانی اُبلتا رہا۔

(پانی کے بعد وہاں قبیلۂ جرہم آ کر آباد ہو گیا۔اس کے بعد نارمل انداز میں دن گزرنے لگے۔) یہاں تک کہ انھوں نے جرہم قبیلہ کی ایک خاتون سے حضرت اسماعیل کی شادی کر دی پھر ان کا انتقال ہو گیا۔اس کے بعد حضرت ابراہیم آئے۔ تا کہ وہ ان سب کی خبر لے سکیں، جن کو وہ چھوڑ کر گئے تھے۔لیکن (وہ پہنچے تو) اسماعیل سے ملاقات نہیں ہوئی۔انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ بہو نے جواب دیا: وہ ہمارے لیے روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔پھر حضرت ابراہیم نے اپنی بہو سے ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں پوچھا،تو بہو نے کہا کہ ہم بدحالی میں ہیں،تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہیں۔یعنی اس عورت نے شکایت کی۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہارا شوہر آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دے۔

جب اسماعیل واپس آئے تو گویا انہوں نے کچھ محسوس کیا اور پوچھا: کیا یہاں کوئی آیا تھا؟

بیوی نے کہا: ہاں، ایک بزرگ آئے تھے، انہوں نے مجھ سے تمھارے بارے میں پوچھا اور میں نے انہیں بتایا۔ انہوں نے ہماری زندگی کے حالات کے بارے میں پوچھا، تو میں نے بتایا کہ ہم تنگ حالی میں ہیں۔

اسماعیل نے پوچھا: کیا انہوں نے میرے لیے تمھیں کوئی پیغام دیا ہے؟

بیوی نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا کہ تمہیں سلام کہوں اور یہ کہ تم اپنے دروازے کی چوکھٹ کو بدل دو۔

اسماعیل نے کہا: وہ میرے والد تھے، اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں۔ اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ چنانچہ اسماعیل نے اسے طلاق دے دی، پھر دوسری عورت سے شادی کرلی۔

حضرت ابراہیم اللہ کے حکم سے کچھ عرصے کے بعد دوبارہ ان کے یہاں تشریف لائے۔ اس وقت بھی اسماعیل گھر پر نہ تھے۔ اس وقت ان کی ملاقات اسماعیل کی دوسری بیوی سے ہوئی، چنانچہ حضرت ابراہیم نے اس سے اسماعیل کے بارے میں پوچھا۔

بیوی نے کہا: وہ ہمارے لیے روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمہارے حالات کیسے ہیں؟

بیوی نے کہا: ہم خیر وعافیت میں ہیں اور کشادگی میں ہیں، اور اللہ کی تعریف کی۔

ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمہارا کھانا کیا ہے؟
بیوی نے کہا: گوشت۔
انہوں نے پوچھا: اور تمہارا مشروب کیا ہے؟
بیوی نے کہا: پانی۔
ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔
نبی ﷺ نے فرمایا: اس وقت ان کے پاس اناج نہ تھا، اگر ہوتا تو وہ اس کے لیے بھی دعا کرتے۔ پھر فرمایا: اگر کوئی شخص مکہ کے سوا کسی اور جگہ صرف ان دو چیزوں (گوشت اور پانی) پر گزارا کرے تو وہ اس کو راس نہیں آئے گا۔"
ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہارا شوہر آئے، تو اسے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھے۔
جب اسماعیل واپس آئے تو انہوں نے پوچھا: کیا یہاں کوئی آیا تھا؟
بیوی نے کہا: ہاں، ایک خوش شکل بزرگ آئے تھے، اور انھوں نے حضرت ابراہیم کی تعریف کی، اور کہا کہ اس بزرگ نے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے انہیں بتایا، اور ہماری زندگی کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ ہم خیر و عافیت میں ہیں۔
اسماعیل نے پوچھا: کیا انہوں نے میرے لیے کوئی نصیحت کی؟
بیوی نے کہا: انہوں نے سلام کہلا بھیجا اور کہا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھو۔
اسماعیل نے کہا: وہ میرے والد تھے، اور تم ہی وہ چوکھٹ ہو، انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں اپنے پاس رکھوں۔
کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم پھر تشریف لائے۔ اس وقت اسماعیل ایک درخت کے نیچے تیر بنا رہے تھے، قریب ہی زمزم کا کنواں تھا۔ جب انہوں نے اپنے

والد کو دیکھا، تو اٹھ کر ان سے اس طرح ملے، جیسے باپ اور بیٹا ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے اسماعیل! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں اللہ کے لیے ایک گھر بناؤں۔ اور ایک اونچی جگہ کی طرف اشارہ کیا جس کے ارد گرد پانی بہتا تھا مگر وہ جگہ اونچی تھی۔

چنانچہ دونوں نے بنیاد کھودنی شروع کی، اس کے بعد اسماعیل پتھر لاتے اور ابراہیم تعمیر کرتے۔ جب دیوار اونچی ہوگئی، تو ابراہیم نے اپنے پاؤں کے نیچے ایک پتھر رکھ لیا، اور اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے۔ اسماعیل پتھر اٹھا کر لاتے تھے، اور دونوں دعا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت ابراہیم نے اسماعیل کے ساتھ کعبہ کی تعمیر مکمل کی۔ تعمیر کے دوران دونوں یہ دعا کرتے رہتے تھے،) جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

"اے ہمارے رب، قبول کر ہم سے، یقیناً تو ہی سننے والا، جاننے والا ہے" (2:127)۔

حضرت ابراہیم نے اسماعیل کی نسل میں ایک پیغمبر پیدا ہونے کی دعا کی تھی (البقرہ، 2:129)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دعا کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ مگر جیسا کہ معلوم ہے، دعا اور اس کی قبولیت کے درمیان ڈھائی ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ اس تاخیر کا سبب یہ ہے کہ اس مدت کے دوران وہ نسل تیار کی جارہی تھی جو شرک کے تسلسل سے منقطع ہو کر سوچ سکے اور صحرائی تربیت کے نتیجہ میں جس کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ وہ پیغمبر کا ساتھ دے کر اس مشکل مشن کو تکمیل تک پہنچا سکے۔ اسی لیے اس گروہ کو "خیر امت" کہا گیا۔ یہ امت تاریخ کی انوکھی امت ہے۔ ابتداءً ضرور اس کی ایک تعداد پیغمبر کی دشمن ہوگئی۔ مگر جب اس کی سمجھ میں آ گیا تو اس نے بھرپور طور پر آپ کا ساتھ دیا۔

اس طرح جو نسل بنائی گئی اس کے اندر اگرچہ بعد کو اطراف کی دنیا سے کچھ شرک کے اثرات آ گئے۔ مگر بنیادی طور پر وہ ایک محفوظ نسل تھی۔ کچھ ناقص افراد کو چھوڑ کر وہ لوگ صحیح

فطرت پر قائم تھے۔ انھوں نے ابتداءً پیغمبر کی مخالفت بھی کی۔ مگر اس کا سبب زیادہ تر نا سمجھی تھا۔ جب ان کی سمجھ میں آ گیا کہ واقعی یہ پیغمبر ہیں اور ان کا دین برحق ہے تو ان کی مخالفت دو بارہ موافقت میں تبدیل ہوگئی۔ وہ بھرپور طور پر آپ کے ساتھی بن گئے۔

حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو "ذبح" کرکے جو نسل تیار کی اس کا سب سے زیادہ نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ آزاد ذہن کے ساتھ حقیقت کو دیکھ سکتی تھی اور اس کا اعتراف کرسکتی تھی۔ حقیقت واقعہ کو مان لینے کی صلاحیت اس کے اندر کامل درجہ میں موجود تھی۔ یہاں اس سلسلہ میں تین مختلف مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔ ایک شخص وہ جس نے حق کو سنتے ہی اسے مان لیا۔ دوسرا وہ جس نے ابتداءً انکار کیا مگر جب بات سمجھ میں آ گئی تو اس نے اعتراف میں دیر نہیں کی۔ تیسرا وہ جس نے اگرچہ اپنی سرداری کی خاطر اعتراف نہیں کیا مگر وہ بھی اس صفت عام سے خالی نہ تھا۔

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ ابتدائی مرحلہ میں ایمان لائے ان میں سے ایک خالد بن سعید بن العاص تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ: اے محمد، آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور یہ کہ تم پتھروں کی عبادت چھوڑ دو جو نہ سنتے اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کس نے ان کی عبادت کی اور کس نے ان کی عبادت نہیں کی (وَلاَ يَدْرِي مَنْ عَبَدَهُ مِمَّنْ لَمْ يَعْبُدَهُ)۔ خالد نے یہ سن کر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت خالد کے والد جو مشرک تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے نے اسلام قبول کرلیا ہے تو انھوں نے ان کو پکڑا اور انھیں مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مارتے

مارتے لکڑی ٹوٹ گئی۔ جب حضرت خالد اسلام سے پھرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے تو باپ نے کہا کہ میں تمہارا کھانا پینا بند کر دوں گا اور تجھے گھر سے نکال دوں گا۔ حضرت خالد نے جواب دیا، خدا کی قسم محمدؐ نے جو کہا سچ کہا اور میں ان کا پیرو ہوں: قَدْ صَدَقَ وَاللّٰهِ وَاتَّبَعْتُه (مستدرک الحاکم، حدیث نمبر 5082)۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ محمد جب ایک حق بات کہہ رہے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ میں اسے نہ مانوں۔

2۔ دوسری مثال سہیل بن عمرو کی ہے۔ صلح حدیبیہ کے وقت وہ مخالفین اسلام کے نمائندہ تھے۔ طویل گفت وشنید کے بعد جب معاہدہ لکھا جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو املا کراتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ یہ وہ دفعات ہیں، جن پر محمد رسول اللہ نے اہل قریش سے صلح کی:

هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ

سہیل بن عمرو نے ان الفاظ پر سخت اعتراض کیا۔ انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر ہم جانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے لڑائی کرتے: وَاللّٰهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ، وَلَا قَاتَلْنَاكَ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 2732)۔

بعد کی تاریخ نے بتایا کہ سہیل بن عمرو ان الفاظ میں پوری طرح صادق تھے۔ وہ واقعۃً نہ سمجھنے کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے۔ چنانچہ بعد کو جب ان کی سمجھ میں آ گیا کہ آپ سچے پیغمبر ہیں تو وہ ایمان لائے اور اس کے بعد اپنی پوری زندگی اسلام کی حمایت اور تائید میں وقف کر دی۔

3۔ تیسری مثال ابوجہل کی ہے۔ ابوجہل نے اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا۔ مگر اس کے

یہاں بھی اس عرب کردار کا ایسا نمونہ ملتا ہے جس کی مثال مشکل سے کہیں دوسری جگہ ملے گی۔

مکی دَور کا واقعہ ہے کہ ایک روز ابوجہل کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اس نے آپ کو بہت برا بھلا کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ یہ واقعہ مکہ کی ایک عورت دیکھ رہی تھی۔ اس نے آپ کے چچا حمزہ بن عبد المطلب سے کہا کہ آج ابوجہل نے آپ کے بھتیجے سے بہت نازیبا انداز میں کلام کیا ہے۔ اس وقت حمزہ کے ہاتھ میں لوہے کی کمان تھی۔ وہ اس کو لیے ہوئے ابوجہل کے پاس آئے اور کمان سے اس کے سر پر اس طرح مارا کہ اس کا سر بری طرح زخمی ہو گیا۔ ابوجہل کے قبیلہ (بنومخزوم) کے کچھ لوگ حمزہ کو مارنے کے لیے دوڑے۔ ابوجہل نے اپنے آدمیوں کو روک دیا اور کہا کہ حمزہ کو چھوڑ دو کیوں کہ خدا کی قسم میں نے ان کے بھتیجے کو آج بہت برا بھلا کہہ دیا تھا: دَعُوا أَبَا عُمَارَةَ، لَقَدْ سَبَبْتُ ابْنَ أَخِيهِ سَبًّا قَبِيحًا (مستدرک الحاکم، حدیث نمبر 4879)۔

4۔ ہرقل کے مشہور واقعہ میں آتا ہے کہ اس نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا نبوت کے اعلان سے پہلے تم لوگوں نے محمد کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے پایا ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں۔ یہ واقعہ نقل کرکے ابن کثیر لکھتے ہیں:

”وکان أَبُو سُفْيَانَ إِذْ ذَاكَ رَأْسَ الْكَفَرَةِ وَزَعِيمَ الْمُشْرِكِينَ وَمَعَ هَذَا اعْتَرَفَ بِالْحَقِّ“ (تفسیر ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 222)۔ یعنی، ابوسفیان اس وقت کافروں کے سردار اور مشرکوں کے لیڈر تھے، اس کے باوجود انھوں نے حق کا اعتراف کیا۔

یہ تھی وہ انسانی نسل جو حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کو ”ذبح“ کرکے بنائی اور پھر اس کے منتخب افراد کے ذریعہ وہ ”خیر امت“ بنی جس نے دل وجان سے توحید کو قبول کیا اور پھر بے مثال قربانی کے ذریعہ دَورِ شرک کو ختم کرکے دَورِ توحید کو برپا کیا۔

حضرت ابراہیم سے لے کر حضرت محمد تک یہ ایک ڈھائی ہزار سالہ منصوبہ تھا۔ اس کا مرکز عرب کا وہ علاقہ تھا جس کو حجاز کہا جاتا ہے اور جس میں مکہ واقع ہے۔ حج اسی تاریخ کا علامتی اعادہ ہے۔ حج کے ذریعہ مسلمان دوبارہ یہ عہد کرتے ہیں کہ وہ اس منصوبہ خداوندی میں اپنے آپ کو شامل کریں گے۔ وہ لبیک اَللّٰھُمَّ لَبَّیکْ (ہم حاضر ہیں خدایا ہم حاضر ہیں) کہتے ہوئے ابراہیم اور اسماعیل کی سرزمین میں جمع ہوتے ہیں۔ جو کچھ ان لوگوں پر حقیقی طور پر گزرا تھا اس کو چند دن میں علامتی طور پر دہراتے ہیں۔ اس طرح وہ خدا سے کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو وہ دوبارہ اس تاریخ کو دہرانے کے لیے تیار ہیں جو یہاں اس سے پہلے دہرائی گئی تھی۔

آج زمانہ گھوم کر دوبارہ وہیں پہنچ گیا ہے جہاں وہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں تھا۔ اس وقت سارے عالم پر شرک کا غلبہ تھا، آج سارے عالم پر الحاد کا غلبہ ہے۔ قدیم زمانہ کا انسان اگر مشرکانہ طرز پر سوچتا تھا تو آج کا انسان ملحدانہ طرز پر سوچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کو موجودہ زمانہ کا مسئلہ وہی ہے جو قدیم زمانہ کا مسئلہ تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ قدیم زمانہ میں مشرکانہ شاکلہ لوگوں کے اوپر چھایا ہوا تھا۔ آج لوگوں کے اوپر الحادی شاکلہ چھایا ہوا ہے۔ اس شاکلہ (ذہنی سانچہ) کو توڑنا ہی آج اسلام کا اصل کام ہے۔ آج بھی اسلامی مہم اسی نہج پر طے ہوگی جس نہج پر قدیم زمانہ کی اسلامی مہم طے ہوئی تھی۔

اب دوبارہ کچھ لوگوں کو ذبح ہونا ہے۔ اب پھر کچھ لوگوں کو اپنی اولاد کو صحرا میں ڈالنا ہے تاکہ دین کی تاریخ دوبارہ زندہ ہو۔ ماضی میں دور شرک کو ختم کرنے کے لیے ایک نسل کی قربانی درکار تھی۔ آج دور الحاد کو ختم کرنے کے لیے دوبارہ ایک نسل کی قربانی درکار ہے۔ یہی حج کا سب سے بڑا سبق ہے۔ اسی کا حج آج حج مبرور ہے جو حج کے بعد یہ عزم

لے کر وہاں سے واپس آئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حج سے فراغت کے بعد حاجی کا کام ختم نہیں ہوجاتا، حج سے فراغت کے بعد حاجی کا اصل کام شروع ہوتا ہے۔ حج کے سفر سے واپسی ایک نئے اہم تر سفر کا آغاز ہے۔

حاجی مراسم حج کے دوران بار بار لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ (حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں) کہتا ہے۔ یہ عہد نامے کے الفاظ ہیں۔ حج خدا اور بندے کے درمیان ایک عہد ہے۔ عہد ہمیشہ آغاز ہوتا ہے، وہ اختتام نہیں ہوتا۔ یہی حج کی عبادت کا معاملہ ہے۔ جو شخص مراسمِ حج کو ادا کر کے واپس آتا ہے وہ گویا خدا سے ایک مقدس عہد کر کے واپس آتا ہے۔ واپس آنے کے بعد اسے مطمئن ہو کر بیٹھ نہیں جانا ہے بلکہ اپنے حالات اور صلاحیت کے اعتبار سے وہ کام شروع کر دیتا ہے جس کا وہ اپنے رب سے عہد کر کے واپس آیا ہے۔

حج سے لوٹنا مقام عہد سے نکل کر مقام عمل کی طرف لوٹنا ہے۔ حج کے بعد آدمی کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، حج کے بعد آدمی کی ذمہ داریاں ختم نہیں ہوتیں۔

حج کا عہد نامہ کیا ہے۔ یہ ایک تاریخ کو دہرانے کا عزم ہے۔ حج تاریخ ابراہیمی کو دوبارہ ظہور میں لانے کا اقرار ہے۔ حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ عراق کے متمدن لوگ توحید اور آخرت کی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو انہوں نے اپنے عمل کا ایک نیا نقشہ بنایا انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو سخت ترین قربانی کے مرحلے سے گزار کر ایک نئی زندہ نسل پیدا کی۔ انہوں نے دعوت کے عمل کو ایک عظیم منصوبہ کا عمل بنا دیا۔ انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو یہ مقصد ان سے کرنے کا تقاضا کر رہا تھا۔

اسی طرح آج حاجی کو وہ سب کچھ کرنا ہے جو آج کے حالات کا تقاضا ہو اور اس وقت تک کرتے رہنا ہے جب کہ اس کی موت آئے یا وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے۔

حضرت ابراہیم کے زمانے میں جس طرح شرک کا عالمی غلبہ تھا۔ اسی طرح آج الحاد کا عالمی غلبہ ہے۔ اب حج سے لوٹنے والوں کو یہ کرنا ہے کہ الحاد کے غلبہ کو ختم کرکے دور توحید کو واپس لانے کے لیے وہ پرامن ابراہیمی سنت کو زندہ کریں۔ وہ ابراہیمی عمل کو ازسرنو زندہ کریں۔ وہ اس مقصد کی راہ میں اپنا وہ سب کچھ لگا دیں جس کو لگانے کا آج کے حالات ان سے تقاضا کرتے ہوں۔ وہ علامتی قربانی کو حقیقی قربانی بنا دیں۔

حج ایک تاریخ کے اعادہ کا عزم ہے۔ ایام حج میں علامتی مناسک کی صورت میں اور ایام حج کے بعد حقیقی زندگی میں منصوبہ بند عمل کی صورت میں۔

حج کی دعوتی اہمیت

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بیت المقدس پیغمبرانہ ہدایت کا مرکز تھا۔ خاتم النبیین کے بعد بیت اللہ الحرام پیغمبرانہ ہدایت کا مرکز ہے (البقرہ،2:144)۔ حج ایک اعتبار سے دنیا بھر کے پیروان اسلام کا سالانہ دعوتی اجتماع ہے۔ وہ خاص دنوں میں حرم کے گرد جمع ہوتے ہیں تا کہ اس کی مقدس فضاؤں میں خدا سے اپنا تعلق استوار کریں۔ اپنے باہمی اتحاد کو مضبوط کریں اور داعیِ اعظم حضرت ابراہیم کی دعوتی زندگی کے مختلف مراحل کو علامتی طور پر دہرا کر اس بات کا عزم کریں کہ وہ ہر حال میں خدا کے دین کے داعیِ بنے رہیں گے۔

حج کی تاریخ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو امام ہدایت بنایا: إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (2:124)۔ یعنی آپ کو اس مستقل کام کے لیے چنا کہ آپ کے ذریعہ نبوت کا علم لوگوں تک برابر پہنچتا رہے۔ ابتدائی دو ہزار سال تک اس خدائی فیصلہ کا ظہور آپ کے صاحبزادہ اسحاق کی شاخ میں ہوا۔ حضرت اسحٰق سے لے کر حضرت مسیح تک اس نسل میں کثرت سے انبیاء پیدا ہوئے جنھوں نے فلسطین اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں دعوت حق کا کام مسلسل انجام دیا۔ حضرت مسیح کے بعد یہ دینی امامت آپ کے دوسرے صاحبزادہ اسماعیل کی نسل میں منتقل ہوگئی۔ ان کی اولاد میں آخری نبی پیدا ہوئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر غلبہ کی نسبت دی تا کہ آپ کے ذریعہ کتاب الٰہی کی حفاظت کا یقینی انتظام ہو سکے اور دین کے مٹنے کا اندیشہ نہ رہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن میں اظہارِ دین: لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (9:33) کہا گیا ہے۔ عام پیغمبروں سے اصلاً صرف تبلیغ دین مطلوب تھی اور پیغمبر آخر الزماں سے تبلیغِ دین کے ساتھ اظہارِ دین بھی۔

اس مقصد کے لیے انسانوں کی ایک معاون جماعت درکار تھی جو تمام انسانی اوصاف سے متصف ہو۔ وہ پیغمبر آخر الزماں کا ساتھ دے کر اظہار دین کے منصوبہ کو تکمیل تک پہنچائے۔ اسی جماعت کی تیاری کے لیے حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو قدیم مکہ کے غیر آباد اور خشک علاقے میں لاکر بسادیا، تاکہ تمدن سے دور فطرت کے سادہ ماحول میں توالدوتناسل کے ذریعہ ایک ایسی قوم پیدا ہو جس کے اندر تمام اعلیٰ صلاحیتیں محفوظ ہوں۔ جو بے آمیز ڈھنگ سے سوچے۔ جس کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو۔ جو ایک نظری حق کی خاطر اپنا سب کچھ لٹادے۔ جس کے اندر پہاڑوں کی صلابت، صحرا کی وسعت اور آسمان کی بلندی ہو۔ اس طرح جب صحرائی ماحول میں پرورش پاکر ایک خیر امت وجود میں آ گئی (آل عمران، 3:110) تو عین وقت پر اس کے اندر وہ نبی پیدا کردیے گئے جس کے لیے حضرت ابراہیم نے تعمیر کعبہ کے وقت دعا کی تھی (البقرہ، 2:129)۔

حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ کے بطن سے خدا کو ایک پیغمبر پیدا کرنا تھا۔ یہ پیغمبر حضرت ابراہیم ہی کی زندگی میں پیدا ہو گیا اور اس کا نام اسحاق رکھا گیا۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم نے مکہ میں دعا کی کہ میرے لڑکے اسماعیل کی اولاد میں ایک نبی پیدا کر، تو اس دعا کی تکمیل میں دو ہزار سال سے زیادہ مدت لگی۔ اس فرق کی وجہ کیا تھی۔ اس کی وجہ دونوں کے تاریخی کردار کا فرق تھا۔ پیغمبر آخر الزماں کو اپنا مطلوبہ کردار ادا کرنے کے لیے ایک زندہ قوم درکار تھی۔ اس طرح کی قوم اسباب کے پردہ میں بننے کے لیے دو ہزار سال سے زیادہ کی مدت لگ گئی۔ چنانچہ یہ قوم تیار ہو گئی تو آپ خدائی منصوبہ کے مطابق پیدا کر دیے گئے۔ تاہم یہ بھی ضروری تھا کہ تیاری کے اس طویل وقفہ کے دوران پیغمبرانہ دعوت کے تسلسل کو باقی رکھا جائے۔ اس لیے دوسرا انتظام یہ کیا گیا کہ حضرت ابراہیم کی نسل کی اسرائیلی شاخ میں انبیاء کی پیدائش کا سلسلہ قائم کردیا گیا۔ اور ایک کے بعد ایک پیغمبر آ کر

لوگوں کو خدا پرستی کا پیغام دیتے رہے۔ تا آنکہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت آجانے کی وجہ سے اس کی ضرورت باقی نہ رہی۔

اس منصوبہ کے مطابق، حضرت ابراہیم اپنے وطن عراق سے نکلے۔ ایک طرف آپ نے فلسطین (حبرون) میں اپنی بیوی سارہ کو بسایا جن سے اسحاق پیدا ہوئے۔ دوسری طرف آپ نے عرب (مکہ) میں اپنی دوسری بیوی ہاجرہ اور ان کے لڑکے اسماعیل کو رکھا اور یہاں کعبہ کی تعمیر کی۔ گویا حضرت ابراہیم کے ذریعہ ہدایت عالم کی جو منصوبہ بندی کی گئی اس کے ابتدائی جزء کا مرکز فلسطین تھا اور اس کے آخری جزء کا مرکز حجاز۔

حضرت ابراہیم کے بعد اولاً فلسطین ہدایت الٰہی کا مرکز بنا۔ اسی علاقہ میں اس زمانہ کے تمام انبیاء پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ وغیرہ۔ حضرت ابراہیم کے پوتے حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ انھیں کی نسبت سے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ بعد کو جب بنی اسرائیل پر زوال آ گیا اور پیغمبروں کی مسلسل فہمائش کے باوجود انھوں نے اپنی اصلاح نہ کی تو خدا نے ہدایتِ آسمانی کے حامل ہونے کی حیثیت سے انھیں معزول کر دیا اور یہ مقدس منصب ابراہیمی نسل کی دوسری شاخ بنو اسماعیل کو دے دیا۔ یہ واقعہ عین اس وقت ہوا جب کہ دو ہزار سالہ عمل کے نتیجہ میں ان کے اندر ایک ایسی زندہ قوم تیار ہو چکی تھی جو خدا کے دین کی حامل بن سکے۔ اس تبدیلی کی ایک ظاہری نشانی کے طور پر قبلۂ عبادت بدل دیا گیا۔ حضرت ابراہیم کے بعد تمام انبیاء بیت المقدس کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے تھے۔ اب قدیم قبلہ کو منسوخ کر کے کعبہ کو قبلۂ عبادت کی حیثیت دے دی گئی۔

حج ایک دعوتی ادارہ

حج ابراہیمی تاریخ کا اعادہ ہے۔ حضرت ابراہیم کے ذریعہ دعوتِ حق کی جو عالمی منصوبہ

بندی کی گئی اسی کے مختلف مراحل کو حاجی علامتی طور پر دہراتا ہے اور اس طرح خدا سے یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسی ربانی مشن میں لگائے گا جس میں حضرت ابراہیم نے اپنے آپ کو لگایا، وہ ختم نبوت کے بعد نبوت کے کام کو اسی طرح جاری رکھے گا جس طرح خدا کے پاک پیغمبر نے اس کو انجام دیا۔

خدا کے دعوتی منصوبہ کی تکمیل کے لیے حضرت ابراہیم اپنے وطن سے نکلے، اسی طرح حاجی بھی اپنے وطن سے نکل کر زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ وہ دین کی خاطر بے وطن ہونے کے لیے تیار رہے۔ انھوں نے بالکل سادہ اور معمولی زندگی پر قناعت کی۔ اسی طرح حاجی احرام باندھ کر یہ عزم کرتا ہے کہ وہ صرف ناگزیر ضرورت پر اکتفا کرکے اپنی توجہ کو اصل مقصد کی طرف لگائے رہے گا۔ انھوں نے کعبہ کے گرد طواف کرکے خدا کے ساتھ اپنی وفاداری کو استوار کیا، اسی طرح حاجی بھی کعبہ کا طواف کرکے خدا کا وفادار ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ دینی تقاضوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے ان کے اہل خاندان پر یہ حالت گزری کہ پانی کی تلاش میں وہ صفا ومروہ کے درمیان دوڑے، اسی طرح حاجی دونوں پہاڑوں کے درمیان سعی کرکے ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی خاطر وہ اس آخری حد تک جانے کے لیے تیار ہے خواہ اس کے گھر والوں پر وہ کیفیت گزر جائے جو ہاجرہ اور اسماعیل پر گزری۔ حضرت ابراہیم کو شیطان نے خدا کے نام سے ہٹانے کی کوشش کی تو انھوں نے اس کے اوپر کنکریاں پھینکیں اسی طرح حاجی علامتی شیطان پر رمی کرکے اس ارادہ کا اظہار کرتا ہے کہ وہ بھی شیطان کے ساتھ یہی سلوک کرے گا اگر اس نے اس کو ورغلایا۔ حضرت ابراہیم کو خدا کی خاطر بیٹے کی جان تک پیش کرنی پڑی اسی طرح حاجی جانور کو قربان کرکے یہ اعلان کرتا ہے کہ دین کی خاطر وہ قربانی کی حد تک جانے کے لیے تیار رہے۔ حضرت ابراہیم کا دعوتی مشن آخرت سے آگاہ کرنے کا مشن تھا۔ چنانچہ حاجی میدان عرفات میں جمع ہو کر میدان حشر کو یاد کرتا ہے تاکہ

اس سب سے بڑی حقیقت کی یاد کو وہ اپنے ذہن کا جزء بنائے اور اس کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرے۔ حضرت ابراہیم کو جب جب ان کے رب نے پکارا وہ فوراً حاضر ہو گئے، اسی طرح حاجی اٹھتے بیٹھتے اور حج کے ارکان ادا کرتے ہوئے بار بار کہتا ہے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالمُلْكَ، لاَ شَرِيكَ لَك (صحیحا لبخاری، حدیث نمبر 1549؛ صحیح مسلم حدیث نمبر 1184)۔ یعنی، میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہے اور اقتدار میں تیرا کوئی شریک نہیں۔ اس طرح حاجی اعلان کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کی پکار پر ہر وقت حاضر ہونے کے لیے تیار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیت اللہ دعوت اسلامی کا مرکز ہے اور حج اسلام کے داعیوں کا عالمی اجتماع۔ حج کے موقع پر جو افعال کیے جاتے ہیں وہ سب وہی ہیں جو حضرت ابراہیم کی دعوتی زندگی کی یادگار ہیں۔ حج کے مناسک انھیں واقعات کا تمثیلی اعادہ ہیں جو حضرت ابراہیم کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کے درمیان مختلف صورتوں میں پیش آئے۔ حاجی بطور شعار (علامت) انھیں حج کے دنوں میں دہراتا ہے اور اس طرح اس بات کا عزم کرتا ہے کہ وہ اسی طرح داعِ بن کر رہے گا جس طرح حضرت ابراہیم دنیا میں خدا کے بن کر رہے۔ ان میں سے کچھ دعوتی زندگی کے براہِ راست مرحلے ہیں اور کچھ بالواسطہ مرحلے۔

حضرت ابراہیم کی زندگی بتاتی ہے کہ حج کے یہ مراسم ان کی دعوتی زندگی کا جزء یا ان کے دعوتی سفر کے مراحل تھے۔ مگر موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے لیے حج اور کعبہ کی زیارت محض ایک قسم کی سالانہ مذہبی رسم بن کر رہ گئی ہے۔ مسلمانوں میں اگر دعوتی شعور اور تبلیغی روح زندہ ہو تو حج کا اجتماع خود بخود دعوتی اہمیت اختیار کر لے گا اور سالانہ دعوتی کانفرنس کے ہم معنی بن جائے گا۔ مگر جب مسلمانوں میں دعوتی روح ختم ہو جائے تو حج اسی طرح ایک بے روح عمل

بن کر رہ جاتا ہے جیسا کہ وہ اس وقت مسلمانوں کے درمیان بنا ہوا ہے۔ وہ پتھر کے شیطان پر کنکریاں پھینکتے ہیں مگر زندہ شیطان کو زیر کرنے کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ وہ علامتی اعمال کو دہراتے ہیں مگر حقیقی اعمال کی ادائیگی کے لیے ان کے اندر کوئی جذبہ نہیں بھڑکتا۔

حج ذریعۂ اتحاد

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا اختلاف و انتشار ہے۔ کیا وجہ ہے کہ حج جیسا نادر اجتماعی ادارہ کے درمیان پوری طرح موجود ہے، اس کے باوجود ان کے اندر باہمی اتحاد پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ حج اپنے سالانہ عالمی اجتماع کے ساتھ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے اتحاد کا ایسا طاقت ور ذریعہ ہونا چاہیے جس میں تمام اختلافات پگھل کر رہ جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حج موجودہ حالت میں صرف ایک قسم کا روایتی ہجوم بن کر رہ گیا ہے، نہ کہ کسی عظیم مقصد کے حاملین کا زندہ اجتماع۔

اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے درمیان کوئی ایسا مشترک مقصد موجود ہو جو ان کی توجہات کو بلند تر نصب العین کی طرف لگا دے۔ اگر ایسا کوئی بڑا قصد سامنے موجود نہ ہوگا تو لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ کر رہ جائیں گے اور بڑے بڑے اجتماعات کے باوجود مجتمع اور متحد نہ ہوں گے۔ دعوت، امت مسلمہ کا یہی عظیم مقصد ہے۔ اگر مسلمانوں کے اندر دعوتی جذبہ ابھر آئے تو اچانک پوری امت ایک بڑے نشانہ کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔ اس کے بعد حج کا اجتماع اپنے آپ مسلمانوں کے درمیان عالمی اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے گا اور اسی کے ساتھ اسلام کی دعوت کا عالمی مرکز بھی۔

حج ایک زندہ عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 ھ میں آخری حج ادا فرمایا۔ اس موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کی موجودگی میں آپ نے 9 ذی الحجہ کو میدان عرفات میں ایک مفصل خطبہ

دیا جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے اس حج کو حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں آپ نے اسلام کی تمام بنیادی تعلیمات کو امت تک پہنچا کر اس سے اس کا عہد لیا تھا۔ چنانچہ خطبہ کے آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں:

أَلَا فَلْيبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الغائب، فربّ مُبَلِّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ (دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 1، صفحہ 23) وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟" قَالُوا نَشْهَدُ أَنْ قَدْ بَلَّغْتَ، فَأَدَّيْتَ، وَنَصَحْتَ، فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: اللَّهُمَّ اشْهَدْ، اللهُمَّ، اشْهَدْ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 1218؛ صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 1457) یعنی، خبردار، جو موجود ہیں وہ میری بات کو غیر موجود تک پہنچا دیں۔ کیونکہ پہنچائے جانے والے اکثر سننے والوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا پھر تم کیا جواب دو گے۔ لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے امانت ادا کر دی اور پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ۔

اس واقعہ کے دو مہینے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ اس وقت تک اسلام عملاً عرب کے ملک تک پھیلا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے اصحاب عرب سے باہر نکلے۔ انھوں نے تبلیغ اسلام کو اپنا مشن بنا لیا۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اور سارا اثاثہ دین کی اشاعت کی راہ میں لگا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی وفات کے پچاس سال کے اندر اسلام قدیم آباد دنیا کے بڑے حصہ میں پھیل گیا۔

اب بھی حج باقاعدہ ادا کیا جاتا ہے اور "حجۃ البلاغ" سے زیادہ بڑے مجمع کو خطاب

کرتے ہوئے امام حج ہر سال اسی قسم کی باتیں دہراتا ہے جو پیغمبر اسلام نے چودہ سو سال پہلے کہی تھیں۔ مگر آج ان باتوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے حج ایک زندہ عمل تھا، آج وہ ایک روایتی عمل بن گیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے حج کے موقع پر جن لوگوں کو خطاب کیا تھا وہ اسی ارادہ اور عزم کے ساتھ وہاں جمع ہوئے تھے کہ ان کو جو ہدایت دی جائے اس کو انھیں پورا کرنا ہے۔ اس کے برعکس، آج حاجیوں کی بھیڑ مکہ اور مدینہ میں صرف اس لیے جاتی ہے کہ وہ حج کے نام پر کچھ رسوم ادا کر کے واپس آجائے۔ اور جس حال میں پہلے تھی اسی حال میں دوبارہ رہنے لگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حج کو ایک مؤثر عمل کی حیثیت سے زندہ کرنے کا کام سب سے پہلے "حاجیوں" کو زندہ کرنے کا کام ہے۔ جب تک حاجیوں، بالفاظ دیگر مسلمانوں میں شعور بیدار نہ کیا جائے، حج کی عبادت اسی طرح بے اثر رہے گی، جیسے ایک خراب بندوق جس کی لبلبی (trigger) دبائی جائے مگر اس کے باوجود وہ فائر نہ کرے۔

حج کی تنظیم نو

حج کو دوبارہ اس کی اصل روح کے ساتھ زندہ کرنا یہ ہے کہ اس کو دعوتی ادارہ کی حیثیت سے زندہ کیا جائے۔ حج کو دعوت اسلامی کی عالمی منصوبہ بندی کا مرکز بنا دیا جائے۔ اس بین الاقوامی موقع پر ہر ملک کے لوگ اپنے ملک کے دعوتی حالات پیش کریں۔ ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہ کے تجربات کو جانیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ حج کے خطبات میں دعوت کی اہمیت اور اس کے جدید مواقع کی وضاحت کی جائے۔ حج کے ادارہ کے تحت مختلف زبانوں میں موثر دعوتی لٹریچر تیار کرنے کا انتظام کیا جائے اور اس کو عالمی سطح پر پھیلایا جائے، وغیرہ۔

تاہم یہ بھی اس طرح جان لینا چاہیے کہ حج کی نئی رخ بندی خود مسلمانوں کی زندگی کی نئی

رخ بندی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ مسلمان کی اصل ذمہ داری شہادت علی الناس ہے۔ ان کے اور دوسری قوموں کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ ہے۔ مگر مسلمان موجودہ زمانہ میں اس حقیقت کو بالکل بھول گئے ہیں۔ انھوں نے ساری دنیا میں غیر مسلم اقوام کو اپنا مادی حریف اور قومی فریق بنا رکھا ہے۔ حج کو دعوتی ادارہ کی حیثیت سے زندہ کرنے کے لیے سب سے پہلے مسلمانوں کو دعوتی گروہ کی حیثیت سے زندہ کرنا ہوگا۔ مسلمانوں کو اس کے لیے آمادہ کرنا ہوگا کہ دنیا بھر میں وہ اپنی ان قومی سرگرمیوں کو ختم کر دیں جو ان کے اور دوسری قوموں کے درمیان داعی اور مدعو کی فضا پیدا نہیں ہونے دیتیں۔ اگر آپ کے اور دوسری قوموں کے درمیان معتدل فضا نہ ہو تو آپ کس کو تبلیغ کریں گے اور کون آپ کی تبلیغ کو سنے گا۔

پھر اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ اعلیٰ درجہ کی تبلیغی یونیورسٹیاں قائم کی جائیں۔ جن کا نصاب اور نظام کامل طور پر دعوت رخی ہو۔ ایسے ادارے قائم کیے جائیں جہاں لوگوں کی تربیت داعیانہ انداز سے کی جائے۔ ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو ایک طرف لوگوں کے اندر دعوتی ذہن بنائے اور دوسری طرف ان کو دعوتی معلومات سے مسلح کرے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کا جدید بنیادی لٹریچر دوبارہ تیار کیا جائے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں تفسیر قرآن اور سیرت رسول پر جو کتابیں تیار ہوئی ہیں وہ زیادہ تر ردعمل کی نفسیات کے تحت لکھی گئی ہیں، وہ غیر قوموں کے فکری اور عملی حملوں کے جواب کے طور پر وجود میں آئی ہیں، نہ کہ دعوت اسلام کی مثبت وضاحت کے لیے۔

اب سے چودہ سو سال پہلے مکی دور میں چلے جائیے تو آپ دیکھیں گے کہ اسلام کا پیغمبر تنہا کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ اس وقت اسلام دنیا میں اجنبی تھا۔ مگر آج ہر دن کثرت سے لوگ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور حج کے زمانہ میں ساری دنیا کے لاکھوں انسان اس طرح ہجوم کر کے مکہ آتے ہیں کہ مسجد حرام کی مسلسل توسیع کے باوجود ہر سال اس کی

عمارت ناکافی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ تعداد کی یہ کثرت کیسے ممکن ہوئی، جواب یہ ہے کہ دعوت کے ذریعہ۔ حقیقت یہ ہے کہ حج کا عالمی اجتماع اسلام کی دعوتی قوت کا ایک سالانہ مظاہرہ ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اسلام کی دعوتی قوت ہی میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام ترقیوں کا راز چھپا دیا ہے۔ اس میں اہل اسلام کی دنیوی نجات بھی ہے اور اسی میں ان کی اخروی نجات بھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کی قوت ہمیشہ دعوت رہی ہے۔ ابتدائی دور میں اسلام اگرچہ مکہ کے عوام کو متاثر نہ کرسکا، مگر وہ سارے قیمتی افراد مکہ کے ابتدائی دور ہی میں ملے جو بعد کو اسلام کی تاریخ کے ستون قرار پائے۔ یہ صرف اسلامی دعوت کا نتیجہ تھا، کیوں کہ اس وقت اسلام کے پاس کوئی دوسری قوت موجود ہی نہ تھی۔ بعد کو مکہ کے جو لوگ اسلام لائے وہ بھی اسلام کی نظریاتی برتری سے متاثر ہو کر اسلام لائے، مثلاً عمرو بن العاص اور خالد بن ولید وغیرہ۔

دوسرے مرحلہ میں مدینہ میں اسلام کا مستحکم ہونا بھی دعوت ہی کے ذریعہ عمل میں آیا۔ مدینہ پر کبھی کوئی حملہ نہیں کیا گیا۔ صرف چند لوگ اسلام کے داعیِ بن کر مدینہ پہنچے، وہاں انھوں نے سادہ انداز میں اسلام کی دعوت شروع کی۔ اس کے نتیجہ میں لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ یہاں تک کہ وہ نوبت آئی کہ مدینہ اسلام کا فکری اور عملی مرکز بن گیا۔

بعد کے دور میں مغلوں اور تاتاریوں کا مسئلہ اسلام کے لیے پیش آیا۔ یہ وحشی قومیں گھوڑوں پر سوار ہو کر تیر اور تلوار لیے ہوئے مسلم ملکوں پر ٹوٹ پڑیں اور ان کے طاقتی مراکز کو زیر وزبر کرڈالا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کی تاریخ اسی طرح ختم ہو جائے گی جس طرح اس سے پہلے بہت سی تہذیبوں کی تاریخ پیدا ہوئی اور ختم ہو گئی۔ مگر عین اس وقت اسلام کی دعوتی طاقت ابھری اور اس نے سارے مسئلہ کو اس طرح حل کر دیا کہ خود فاتح قوموں کو اسلام کا جزء بنالیا۔

حج اور بیت اللہ ایک عظیم دعوتی منصوبہ بندی کی علامت ہے۔ حضرت ابراہیم کی آواز جب

عراق اور شام اور مصر کے متمدن علاقوں میں نہیں سنی گئی تو آپ نے خدا کے حکم سے اپنی اولاد کو لا کر مکہ میں بسایا اور یہاں کعبہ کی تعمیر کی تا کہ وہ ہدایت الٰہی کے مستقل مرکز کے طور پر کام دے:

- إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (3:96)۔ یعنی، پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہان کے لیے رہنما۔
- عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ مِنَ الحِجَازِ مَعْقِلَ الأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ (سنن الترمذی، حدیث نمبر 2630)۔ یعنی، دین حجاز کی طرف سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ آتا ہے اور دین حجاز کے ساتھ باندھ دیا جائے گا جس طرح بکرے کو پہاڑ کے تھان پر باندھ دیا جاتا ہے۔ دین شروع ہوا تو وہ اجنبی تھا۔ وہ دوبارہ اجنبی ہو جائے گا تو اجنبیوں مبارک ہو۔ یہی لوگ ہیں جو اس وقت لوگوں کی اصلاح کریں گے جب کہ وہ بگڑ جائیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حجاز دعوت اسلامی کا مرکز بنا اسی طرح آئندہ بھی جب دین لوگوں کے اندر سے گم ہوگا تو دوبارہ حجاز ہی خدا کے دین کو زندہ کرنے کا مرکز بنے گا۔ حج کا مقام خدا کی عبادت کا مقام بھی ہے اور خدا کے دین کی دعوت وتجدید کا مرکز بھی۔ ضرورت ہے کہ آج حج کے مراکز کو دوبارہ اسی حیثیت سے زندہ کیا جائے۔

موجودہ زمانہ میں سائنسی انقلاب نے بہت سے نئے دعوتی امکانات کھول دیے ہیں۔

ان کے نتیجہ میں آج یہ بات ہمیشہ سے زیادہ بڑے پیمانہ پر ممکن ہوگئی ہے کہ حج کے عالم گیر اجتماع کو دعوت دین کی عالمی منصوبہ بندی کے لیے استعمال کیا جائے، اور اس طرح اسلام کے طرزفکر کو دنیا میں دوبارہ غالب طرزفکر بنا دیا جائے۔ جیسا کہ ماضی میں وہ غالب طرزفکر بنا ہوا تھا۔ یہی وہ مقصود ہے جس کو قرآن میں اظہار دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کہا گیا ہے، اور اس کو پانے کا راز بلاشبہ حج کی دعوتی اہمیت کو دوبارہ زندہ کرنے میں چھپا ہوا ہے۔

ایک ضروری شرط

حج کے ادارے کو عالمی دعوتی ادارہ بنانے کی ایک ہی لازمی شرط ہے۔ اور وہ یہ کہ حج کے فریضے کو سیاست سے بالکل الگ رکھا جائے۔

راقم الحروف نے ستمبر 1982ء میں حج کا فریضہ ادا کیا تھا۔ ایک روز جب کہ میں بیت اللہ کے اندر تھا ایک خاص ملک کے کچھ لوگ وہاں آئے اور اپنے ملک کے لیڈر کا نام لے کر زندہ باد پائندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔ یہ سن کر بہت سے حاجی ان کے گرد جمع ہوگئے۔ آپس میں اختلافی بحثیں شروع ہوگئیں یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ بیت اللہ کا ماحول ذکر اور عبادت کا ماحول ہے مگر مذکورہ نادانی کے نتیجہ میں وہ سیاسی نزاع کا ماحول بن کر رہ گیا۔

یہی قصہ مدینہ میں بھی پیش آیا۔ مدینہ میں میں ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں کچھ نوجوان میرے کمرے میں آئے۔ ان کے پاس بہت سے چھپے ہوئے پمفلٹ تھے جو انگریزی اور عربی زبان میں تیار کیے گئے تھے۔ ان کتابچوں میں ایک خاص مسلم ملک کے حکمراں کو نشانہ بنا کر اس کے بارے میں مخالفانہ باتیں لکھی گئی تھیں۔ ان نوجوانوں نے یہ کتابچے مجھے دیے تو میں نے کہا کہ آپ اپنا قیمتی وقت بھی برباد کر رہے ہیں اور ایّام حج کو بھی نہایت غلط طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ وہ نوجوان مجھ سے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ وہ بگڑ کر چلے گئے۔

موجودہ زمانہ میں یہ رجحان کافی بڑھا ہے۔ کچھ ادارے اور کچھ حکومتیں حج کو صرف اس نظر سے دیکھتی ہیں کہ یہاں بیک وقت ساری دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو اپنے محدود سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ مگر یہ طریقہ سراسر غلط اور حج کے مقاصد کے بالکل خلاف ہے۔ حج میں جمع ہونے والے مسلمانوں کو صرف اس نظر سے دیکھنا چاہیے کہ وہ حج کا فریضہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس عالمی اجتماع سے فائدہ اٹھانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے اندر دعوتی روح پیدا کی جائے تا کہ وہ واپس جا کر اپنے اپنے علاقوں میں اللہ کے دین کا اعلان کرنے والے بنیں، نہ کہ ایک دوسرے کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کرنے والے۔

حج ایک زبردست قوت ہے اور اس کو نہایت موثر طور پر عالمی اسلامی دعوت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کو آپس کے اختلاف کا میدان نہ بنایا جائے۔

حج کا عاطفی پہلو

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں (51:56)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کا جذبہ انسان کے اندر تخلیقی طور پر شامل ہے۔ انسان کو نہ صرف یہ کہ ازروئے واقعہ خدا کی عبادت کرنا چاہیے بلکہ اس کی فطرت کا مطالبہ بھی یہی ہے کہ وہ ایسا کرے۔ خدا کی عبادت خود انسان کی اپنی فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کی عبادت کے سوا کوئی چیز انسان کو حقیقی طور پر مطمئن نہیں کرتی: أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (13:28)۔ یعنی، سن لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

جس طرح ایک چھوٹا بچہ عین اندرونی جذبہ کے تحت مجبور ہے کہ وہ اپنی ماں کی طرف لپکے۔ اسی طرح انسان عین اپنی اندرونی پکار کی بنا پر مجبور ہے کہ وہ خدا کی طرف دوڑے۔ انسان اپنی اندرونی شخصیت کو بدل نہیں سکتا، اس لیے وہ خدا کو بھی اپنے دل و دماغ سے نکال نہیں سکتا۔

علم الانسان کی شہادت

یہ حقیقت موجودہ زمانہ میں انسانیات (Anthropology) کے ذریعہ علمی طور پر ثابت ہوگئی ہے۔ موجودہ زمانہ میں علم الانسان کے ماہرین نے انسانی معاشرہ کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ تاریخ کے ابتدائی دور سے لے کر اب تک کے انسانی معاشروں کا مطالعہ کرنے کے بعد جو حقیقتیں سامنے آئی ہیں ان میں سے ایک اہم ترین حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کے اُتار چڑھاؤ کے باوجود انسان ہمیشہ خدا کا پرستار رہا ہے۔ خدا اور مذہب کا جذبہ انسان کی فطرت میں اس طرح پیوست ہے کہ وہ کسی حال میں اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں علم

الانسان کی تحقیقات کا خلاصہ ہم انسائیکلو پیڈیا امریکانا کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

> "From the earliest days of the world's history man has been more or less a religious creature. Almost invariably he has had a god, or several of them, to whom he looked for protection. At times these gods have been crude fetishes of whittled wood or roughly hewn stone; at times they have assumed the form of animals or reptiles, or have appeared as cruel monsters eager for the life-blood of those who reverenced them. But, however they may have come, man has worshipped them, because religion, as represented in the worship of a super-natural power, is interwoven with the entire fabric of human nature."
>
> (*Encyclopedia Americana,* 1961, Vol. 23, p. 354)
>
> دنیا کی تاریخ کے بالکل ابتدائی دنوں سے انسان کم وبیش ایک مذہبی مخلوق رہا ہے۔ تقریباً ہر زمانہ میں وہ ایک خدا رکھتا تھا یا کئی خدا، جس کی طرف وہ بچاؤ کے لیے دیکھ سکے۔ کبھی یہ خدا لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے۔ کبھی پتھر کے۔ کبھی جانوروں اور سانپوں کو خدا سمجھ لیا گیا، وغیرہ۔ مگر ہر حال میں وہ تھے اور انسان ضروری سمجھتا تھا کہ وہ ان کی پوجا کرے۔ کیونکہ مذہب، ایک مافوق طاقت کی پرستش کی صورت میں، انسان کی فطرت کے پورے ڈھانچہ میں گندھا ہوا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا شعور انسان کی فطرت میں تخلیقی طور پر پیوست ہے۔ تاہم یہ شعور مجمل انداز میں ہے۔ اس لیے انسان ایسا کرتا ہے کہ جب وہ حقیقی خدا کو نہیں پاتا تو مصنوعی طور پر وہ خود ساختہ خداؤں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ فطرت کے زور پر اس کے اندر پرستش کا جذبہ ابھرتا ہے۔ اگر اس کے سامنے پیغمبر کی رہنمائی ہو تو اس کا یہ جذبہ خدائے وحدہ لاشریک کی صورت میں اس کا جواب پالے گا۔ اور اگر پیغمبر کی رہنمائی اس کے سامنے نہ ہو تو وہ

اپنے جذبہ کی مصنوعی تسکین کے لیے غیر خداؤں کو خدا فرض کر کے ان کو پوجنے لگے گا۔

انسان کا مقصود اصلی صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو اس کا خالق و مالک ہے۔ یہ مقصود اس کی فطرت میں گہرائی کے ساتھ شامل ہے۔ انسان یکسو ہو کر اپنی فطرت پر کان لگائے تو وہ خود اپنے اندر خدا کو پالے گا۔ وہ اس کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں محسوس کرے گا۔ یہ فطرت گویا انسان کا "لاشعور" ہے۔ پیغمبر اسی لاشعور کو شعور کا درجہ عطا کرتا ہے۔

تاہم انسان جیسی ایک مخلوق کے لیے صرف یہ غیبی معرفت کافی نہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ خدا کو محسوس طور پر بھی پائے۔ وہ خدا کا محسوس ادراک کر سکے۔ مگر یہاں یہ رکاوٹ ہے کہ خدا کا محسوس ادراک حقیقی معنوں میں آخرت سے پہلے ممکن نہیں۔

آخرت میں بلاشبہ انسان خدا کو دیکھے گا۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کے دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے (75:22)۔ حدیث سے بھی یہ بات تواتر کی حد تک ثابت ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ تم عنقریب اپنے رب کو کھلے طور پر دیکھو گے: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 7435)۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 554، صحیح مسلم، حدیث نمبر 633)۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات میں چاند کی طرف دیکھا، پھر فرمایا کہ تم (آخرت میں) اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔

شعائر اللہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا حقیقی مشاہدہ صرف آخرت میں ہوگا۔ مگر آخرت کے خدائی مشاہدہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ خدا کو پائے۔ وہ کل کے آنے سے

پہلے آج کے دن خدا کی قربت حاصل کرے۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انسان کی یہ طلب موجودہ دنیا میں کس طرح پوری ہو۔

اس کا جواب شعائر اللہ (البقرہ، 2:158) کی صورت میں فراہم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو ان کی مخصوص تاریخی اہمیت کی بنا پر اپنا شعیرہ (علامت) قرار دیا ہے۔ ان علامتوں یا یادگاروں کے گرد ایسے حالات جمع کیے گئے ہیں کہ ان کو دیکھنا خدا کو دیکھنا بن جائے۔ جس خدا کو انسان براہِ راست نہیں پا سکتا اس کو وہ بالواسطہ انداز میں پالے۔ انسان موجودہ دنیا میں اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، البتہ شعائر اللہ کو دیکھ سکتا ہے۔ وہ موجودہ دنیا میں اللہ کو اس طرح نہیں پا سکتا کہ وہ اس کو چھوئے اور اس سے محسوس قربت حاصل کرے۔ البتہ وہ شعائر اللہ کو چھو سکتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قربت خداوندی کا محسوس تجربہ کر سکتا ہے۔

شعیرہ (جمع شعائر) معنی ہیں نشان، علامت، یادگار۔ یعنی وہ چیز جو خود اصل نہ ہو۔ البتہ وہ کسی نسبت کی بناء پر اصل کی یاد دلائے۔ اس کی ایک مثال صفا اور مروہ پہاڑیاں ہیں جن کو قرآن میں شعائر کہا گیا ہے: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ (2:158)۔ یعنی، صفا اور مروہ، بیشک اللہ کی یادگاروں میں سے ہیں۔

صفا اور مروہ مکہ میں بیت اللہ کے قریب دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان تقریباً 500 قدم کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی اہلیہ ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچے اسماعیل کو لا کر یہاں بسایا تو یہاں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ پانی۔ حضرت ہاجرہ کی مشک کا پانی ختم ہو گیا تو وہ صفا اور مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں سات بار دوڑیں۔ اسی کی یاد میں آج بھی تمام حاجی دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات بار سعی کرتے ہیں۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کو پسند آیا اور اس نے صفا اور مروہ کو اپنا شعیرہ قرار دیدیا۔ یعنی خدا پرستی کی مستند یادگار۔ صفا اور مروہ کو دیکھ کر وہ پوری تاریخ یاد آجاتی ہے جب کہ اللہ کے

ایک بندہ نے صرف اللہ کی رضا کی خاطر اپنے سرسبز وطن (عراق) کو چھوڑا اور اپنے بیوی اور بچہ کو بے آب و گیاہ علاقہ میں لاکر بسا دیا۔ یہ اللہ پر یقین اور اس کے اوپر اعتماد کی ایک کامل مثال ہے۔

اسی طرح کعبہ، حجر اسود اور حج سے متعلق دوسری چیزیں سب کی سب شعائر اللہ ہیں۔ یہ موحد کامل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی خدا پرستانہ زندگی کی نشانیاں ہیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت ابراہیم کی موحدانہ تاریخ یاد آتی ہے۔ ان کو دیکھ کر خدا کی عظمت وجلال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ان شعائر کے ماحول میں پہنچ کر آدمی اپنے آپ کو خدا کے ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔

حجر اسود کو حدیث میں یَدُ اللّٰہِ فِی الأَرْضِ (کنز العمال، حدیث نمبر 38072) کہا جاتا ہے، یعنی زمین میں اللہ کا ہاتھ۔ یہ حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ تمثیلی معنوں میں ہے۔ آدمی کے اندر اٹھنے والے ربانی جذبات اپنی محسوس تسکین کے لیے یہ چاہتے تھے کہ وہ اللہ کے ہاتھ کو چھوئیں اور اس کو چھو کر اپنے جذبے کو مطمئن کریں، حجر اسود کو چوم کر آدمی اپنے اسی جذبہ کی تسکین حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی چاہتا تھا کہ وہ اللہ کو پا کر اس کے گرد گھومے، کعبہ کے مقدس گھر کا طواف کرکے وہ اپنے اسی جذبہ کو تسکین دیتا ہے۔ آدمی چاہتا تھا کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے دوڑے، وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے تو اس کو یہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حج کے تمام مراسم کسی نہ کسی اعتبار سے انسان کے چھپے ہوئے جذبات کی تسکین ہیں۔ وہ اپنے رب سے محسوس تعلق قائم کرنے کا ذریعہ ہیں۔

معبود کی پرستش کا جذبہ فطری طور پر انسان کے اندر چھپا ہوا ہے۔ شرک اور بت پرستی اسی فطری جذبہ کا غلط استعمال ہے۔ توحید کا عقیدہ اس فطری جذبہ کو صحیح رُخ عطا کرتا ہے، یہی معاملہ حج کے مراسم کا ہے۔ حج ایک اعتبار سے ایک انسانی غلطی کی اصلاح ہے۔ وہ انسان

کی طلب کو غلط رُخ پر جانے سے روکتا ہے اور اس کو صحیح رُخ پر لگا دیتا ہے۔ حج اسی جذبہ کی تسکین کی صحیح صورت ہے جس کو انسان غلط طریقہ سے تسکین دینا چاہتا ہے۔

انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ خدا کو دیکھے، وہ محسوس طور پر اس کو پا کر اس کے آگے مراسمِ عبودیت ادا کرے، انسان نے اپنے اس جذبہ کی تسکین کے لیے یہ کیا کہ اس نے غیر مرئی خدا کی مرئی تصویر (image) بنائی۔ اور اس خود ساختہ تصویر کو خدا کی تصویر سمجھ کر اس کو پوجنا شروع کر دیا۔ مگر یہ قرآن کے الفاظ میں الحاد (انحراف) ہے۔ انسان اپنے جس فطری جذبہ کا جواب خدائی بتوں میں تلاش کر رہا ہے اس کا جواب زیادہ صحیح طور پر خدائی یادگاروں (شعائر اللہ) میں موجود ہے۔

خدا کا بت بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی انسان کا مجسمہ بنانا۔ مجسمہ وہ شخص بناتا ہے جس نے صاحب مجسمہ کو یا اس کی تصویر کو دیکھا ہو۔ مگر خدا کے بارے میں کوئی مجسمہ ساز یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ایک شخص جب خدا کا بت بناتا ہے تو وہ لامحدود کو محدود کرتا ہے۔ وہ ایک برتر ہستی کو غیر برتر چیزوں میں ڈھالتا ہے۔ اس قسم کا ہر فعل واقعہ کے خلاف ہے۔ اور وہ بلا شبہ سرکشی کے ہم معنی ہے۔

حج ایک اعتبار سے انسانی ذہن کی اصلاح ہے۔ حج کا پیغام یہ ہے کہ خدا کو ''مجسمہ'' کی سطح پر اتارنے کی کوشش نہ کرو۔ خدا کو اس کے ''شعائر'' کی سطح پر دیکھو۔ موجودہ دنیا میں تم خدا کو اس کی ذات کی سطح پر نہیں پا سکتے۔ البتہ تم اس کو آثارِ ذات کی سطح پر پا سکتے ہو۔ یہ شعائر وہ ہیں جو خدا کے معیاری پرستاروں کے عمل سے قائم ہوئے ہیں۔ یہ تاریخ کے ان لمحات کی مادی یادگاریں ہیں جب کہ خدا اور بندے کے درمیان براہِ راست اتصال قائم ہوا۔ جب بندہ نے خدا کو پایا اور خدا نے اپنے کو بندہ کے لیے بے نقاب کیا۔

تاریخ کے وہ قیمتی افراد جنھوں نے خدا پرستی کو اس کی اعلیٰ اور معیاری شکل میں

اختیار کیا۔ ان کے آثار ہی کا نام شعائر اللہ (خدا کی یادگاریں) ہے۔ انھیں شعائر کے درمیان تمام مراسمِ حج ادا کیے جاتے ہیں۔ ان سے دوری خدا سے دوری ہے اور ان سے وابستگی خدا سے وابستگی۔

ملاقاتِ خداوندی

حج کے بہت سے پہلو ہیں۔ مگر اس کا خاص پہلو یہ ہے کہ حج حق تعالیٰ سے ملاقات ہے۔ آدمی جب سفر کر کے مقاماتِ حج تک پہنچتا ہے تو اس پر خاص طرح کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ "اپنی دنیا" سے نکل کر "خدا کی دنیا" میں پہنچ گیا ہے۔ وہ اپنے رب کو چھورہا ہے وہ اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ وہ اس کی طرف دوڑ رہا ہے۔ وہ اس کی خاطر ادھر سے ادھر جا رہا ہے۔ وہ اس کے حضور قربانی پیش کر رہا ہے۔ وہ اس کے دشمن کو کنکریاں مار رہا ہے۔ وہ اس سے مانگ رہا ہے جو کچھ وہ اس سے مانگنا چاہتا ہے۔ وہ اس سے پا رہا ہے جو کچھ وہ اس سے پانا چاہتا ہے۔

عرفات کا میدان اس سلسلہ میں بڑا عجیب منظر پیش کرتا ہے۔ خدا کے بندے قافلہ در قافلہ چاروں طرف سے چلے آرہے ہیں۔ سب کے جسم پر ایک ہی سادہ لباس ہے۔ ہر ایک اپنی امتیازی صفت کو کھو چکا ہے۔ سب کی زبان پر ایک ہی کلام جاری ہے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ (حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں، حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں)۔

یہ منظر دیکھ کر قرآن کی وہ آیت یاد آنے لگتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو اچانک تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ (36:51)۔ حقیقت یہ ہے کہ عرفات کا اجتماع حشر کے اجتماع کی پیشگی خبر ہے۔ یہ آج کی دنیا میں آئندہ آنے والی دنیا کی تصویر

دکھانا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ الْحَجُّ عَرَفَةُ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 55)۔یعنی، عرفات کے میدان میں قیام ہی حج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کا اہم ترین مقصد کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی میدان حشر میں خدا کے سامنے اپنی حاضری کو یاد کرے۔ جو کچھ کل عملاً بیتنے والا ہے اس کو آج ہی ذہنی طور پر اپنے اوپر طاری کر لے۔

کعبہ خدائے واحد کا گھر ہے۔ اس کو دو جلیل القدر پیغمبروں (حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل) نے مل کر بنایا۔ ان پیغمبروں کی اعلیٰ زندگی اور خدا کے لیے ان کی قربانی کے حیرت انگیز واقعات اس گھر سے وابستہ ہیں۔ پھر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پاک اصحاب کی زندگیاں اور ان کی خدا پرستانہ سرگرمیاں اس کی فضاؤں میں بسی ہوئی ہیں۔

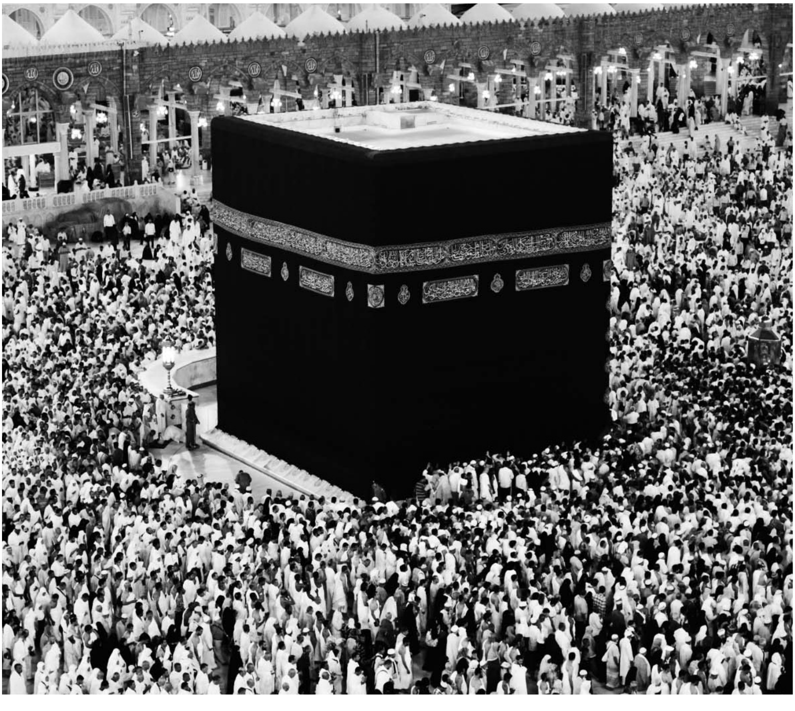

خدا پرستی اور خدا کے لیے قربانی کی اس بے مثال تاریخ کو آدمی کتابوں میں پڑھتا ہے۔ وہ بچپن سے لے کر سفر حج تک اس کو مسلسل سنتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے حافظہ کے خانہ کا جزء بن جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں جب وہ سفر کر کے کعبہ کے سامنے پہنچتا ہے تو حافظہ کی تمام یادیں اچانک اس کے اندر جاگ اٹھتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک تاریخ کے سامنے کھڑا ہوا پاتا ہے۔ خدا سے خوف اور محبت کی تاریخ، خدا کے لیے قربان ہو جانے کی تاریخ، خدا کو اپنا سب کچھ بنانے کی تاریخ، خدا کو قادر مطلق کی حیثیت سے پالینے کی تاریخ، خدا کی خاطر اپنے آپ کو مٹا دینے کی تاریخ۔

اس قسم کی ایک عظیم ربانی تاریخ آدمی کے سامنے کعبہ کی صورت میں مجسم ہو جاتی ہے۔ وہ حجری حروف میں لکھی ہوئی اس کو نظر آنے لگتی ہے۔ یہ تجربہ اس کے دماغ کو ہلاتا ہے وہ اس کے سینہ کو پگھلا دیتا ہے۔ وہ اس کو بدل کر نیا انسان بنا دیتا ہے۔

راقم الحروف نے اپنے حج (1982) کے سفرنامہ میں لکھا تھا:

"ہماری قیام گاہ حرم سے بہت قریب شارع ابراہیم الخلیل پر تھی۔ چنانچہ کھانے اور مختصر سونے کے علاوہ میرا بیشتر وقت حرم میں گزرتا تھا۔ میرا روزانہ کا معمول تھا کہ میں باب الہجرہ کے پاس زمزم کے پانی سے وضو کرتا، اس کے بعد سیر ہو کر زمزم کو پیتا اور پھر حرم میں داخل ہو جاتا۔ اکثر میں حرم کے اوپر کے حصہ میں جاتا تھا۔ کیونکہ اوپر کے حصہ میں نسبتاً بھیڑ کم ہونے کی وجہ سے سکون رہتا تھا۔ وہاں میں نماز پڑھتا، تلاوت کرتا، کعبہ کو دیکھتا، اللہ کو یاد کرتا۔ روزانہ گھنٹوں اس طرح گزر جاتے کہ مجھے وقت کا کچھ اندازہ نہ ہوتا۔ خواہ کتنی ہی زیادہ دیر ہو چکی ہو، جب میں حرم سے لوٹتا تو محسوس ہوتا کہ طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر دل کی جو کیفیت ہوتی تھی اس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

حج کے موقع پر بیک وقت ساری دنیا کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس بنا پر حج میں بار بار ایک کو دوسرے سے تکلیف پہنچتی ہے۔ بار بار ایسے مواقع سامنے آتے ہیں جو آدمی کی طبیعت پر بے حد شاق معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع پر آدمی اگر اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کرلے تو اس کا حال بالکل دوسرا ہو جائے گا۔ اس کے بعد تلخ تجربہ بھی شیریں تجربہ بن جائے گا۔ اس کے بعد وہی چیز اس کے لیے رزق ربانی کا سبب بن جائے گی جو عام حالات میں صرف رزق نفسانی کا ذریعہ بنتی ہے۔

مثلاً آپ مسجد حرام میں نماز کے لیے کھڑے ہیں کہ انسانوں کا ہجوم اندر داخل ہوا اور کشادہ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے عین آپ کے سامنے صف باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ کے سامنے اتنی جگہ باقی نہ رہی کہ آپ درست طور پر رکوع کریں یا درست طور پر سجدہ کریں۔ ایسے موقع پر اگر آپ صرف سامنے کے انسانوں کو دیکھیں تو آپ کے اندر غصہ اور نفرت پیدا ہو گی۔ اس کے برعکس، اگر آپ خود اپنا احتساب کرنے لگیں تو آپ کا حال بالکل دوسرا ہو جائے گا۔ آپ کہہ اٹھیں گے کہ خدایا، تو میری اس ٹوٹی پھوٹی نماز کو قبول کر لے۔ کیونکہ میری بظاہر صحیح نماز بھی حقیقۃً اتنی ہی ٹوٹی پھوٹی نماز ہے جتنی کہ میری یہ نماز۔ جو شخص اپنے ذہن کو اس طرح موڑے اس کا حال بالکل دوسرا ہو جائے گا۔ جس واقعہ سے اکثر لوگ صرف انسان بیزاری کی غذا لیتے ہیں اس واقعہ سے اس کو خدا کی قربت کا رزق ملنے لگا۔

اسی طرح حج کے سفر میں طرح طرح کے ناخوش گوار تجربات پیش آتے ہیں۔ رمی اور دوسرے مواقع پر انسانوں کی بھیڑ، منیٰ اور عرفات میں گرمی کی شدت، پانی لینے کے لیے ایک کا دوسرے پر ٹوٹنا، وغیرہ۔ اس قسم کی جو مختلف صورتیں حج کے سفر میں پیش آتی ہیں۔ ان میں اگر

آپ صرف سامنے کے واقعہ کو دیکھیں تو آپ کے اندر غصہ اور جھنجھلاہٹ کا جذبہ بھڑکے گا۔ اس کے برعکس، اگر آپ اس وقت یہ سوچنے لگیں کہ جب دنیا کی چھوٹی مصیبت کا یہ حال ہے تو آخرت کی بڑی مصیبت کا کیا حال ہوگا، تو اچانک آپ یہ محسوس کریں گے کہ جو چیز بظاہر مصیبت نظر آرہی تھی وہ عین راحت بن گئی۔ اس نے خدا کی رحمت بن کر آپ کے اوپر سایہ کرلیا۔

غیر معمولی سفر

حج کے مذکورہ سفرنامہ (1982) میں تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"1982 میں میں بعض ملکوں کے سفر پر نکلا۔ اس سفر میں حج کا پروگرام شامل نہ تھا۔ حتیٰ کہ میرے ذہن میں اس کا تصور بھی نہ تھا کہ میں حجاز پہنچ کر حج کا فریضہ ادا کروں۔ افریقہ (روانڈا) پہنچا تو وہاں ایک بزرگ دوست محمد سلیمان القائد (وفات 1996) مل گئے اور ان کے ساتھ اچانک سفر حج کے اسباب پیدا ہو گئے۔ اس معاملہ میں میرے ساتھ بالکل وہ صورت حال پیش آئی جو کسی شاعر نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہے:

خدا کے دَین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال　　　کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

یہ میری محرومی تھی کہ میں نے ابھی تک حج کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ وطن سے میں ایک اور سفر کے لیے نکلا۔ مگر اللہ نے عجیب وغریب طور پر ایشیا اور یورپ اور افریقہ کا سفر کراتے ہوئے مجھ کو ارض حرم میں پہنچا دیا تا کہ میں حج کی سعادت حاصل کرسکوں۔ حج کرنے والا اگرچہ میں تھا مگر حج کرانے والا صرف خدا تھا۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہ تھا۔ آخرکار جب میں حرم میں پہنچا اور کعبہ پر نظر پڑی تو یہ ایک ایسا منظر تھا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کعبہ کو دیکھنا اور کعبہ کے پڑوس میں اپنے آپ کو پانا اتنا پرکیف ربانی تجربہ ہے جس کے اظہار سے میرا قلم عاجز ہے۔ اس غیر متوقع نعمت کو پا کر دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ بے اختیار میری زبان سے نکلا: خدایا، میں نے ابھی تک اپنی زندگی میں حج کا پروگرام نہیں

بنایا تھا۔ گویا کہ میں حج کیے بغیر مر جانے پر راضی تھا۔ یہ تیرا کیسا عجیب احسان ہے کہ تو نے مجھ کو اس ناقابل بیان محرومی سے بچالیا۔"

یہ بظاہر ایک حاجی کے وہ تاثرات ہیں جو مخصوص حالات میں اس پر طاری ہوئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی تاثر ہر حاجی پر طاری ہونا چاہیے۔ ہر حاجی پر یہ کیفیات طاری ہونی چاہیے کہ وہ اپنے حج کو خدا کی طرف سے کرایا جانے والا حج سمجھے۔ وہ جب ارض حرم میں پہنچے تو وہ محسوس کرے کہ یہ دراصل خدا ہے جس نے اس کو اس نوبت تک پہنچایا ہے۔ وہ ایک عام مسافر کی حیثیت سے اپنے وطن سے نکلا مگر جب وہ منزل پر پہنچا تو وہ خدا کا مہمان تھا۔ اس نے صرف ایک زمینی راستہ طے کیا تھا مگر اللہ نے اس کو ایک ایسے ماحول میں پہنچا دیا جہاں ہر طرف آسمانی برکتیں بکھری ہوئی ہیں۔ اس کے پاس صرف محرومی کا اثاثہ تھا مگر اللہ نے اپنی رحمتِ خاص سے اس کے کھونے کو پانا بنا دیا۔

فیض بقدر استعداد

کعبہ زمین پر خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تاریخی طور پر یہاں ایسے اسباب فراہم کیے ہیں کہ جو شخص وہاں جائے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بھٹکی ہوئی انسانی روحوں کو خدا کا آغوش دیا جاتا ہے۔ وہاں پتھرائے ہوئے سینوں میں عبدیت کے چشمے جاری کیے جاتے ہیں۔ وہاں بے نور آنکھوں کو خدا کی تجلیات دکھائی جاتی ہیں۔ تاہم اس دنیا میں "فیض بقدر استعداد" کا اصول رائج ہے۔ بیت اللہ کا فیض اس کو ملتا ہے جو اس کی استعداد لے کر وہاں جائے۔ بے استعداد لوگوں کے لیے حج کا سفر بس ایک قسم کی سیاحت ہے۔ وہ وہاں جاتے ہیں تا کہ جیسے گئے تھے ویسے ہی دوبارہ واپس چلے آئیں۔

مذکورہ سفر نامۂ حج (1982) میں حسب ذیل سطریں درج ہیں:

''وہاں میں نے جو خدائی مناظر دیکھے، جس طرح وہ نا قابل بیان ہیں۔ اسی طرح وہ انسانی مناظر بھی نا قابل بیان ہیں جو وہاں مجھ کو دیکھنے کو ملے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ یا تو دنیا کی باتیں کرنے میں مشغول ہیں یا دنیا کا سامان خریدنے میں۔ کچھ لوگ دوسروں کو دھکا دے کر اپنی پر جوش مذہبیت کا اظہار کر رہے تھے۔ حالاں کہ اس قسم کی چیزیں مقامات حج میں جائز نہیں۔

جہاں ہر طرف خدا کے جلوے بکھرے ہوئے تھے تا کہ آدمی ان میں محو ہو جائے۔ وہاں لوگ انسانی جلوؤں میں گم تھے۔ جہاں خدا کے فرشتے اترے ہوئے تھے تا کہ لوگ ان سے باتیں کریں وہاں لوگ انسانوں سے باتیں کرنے میں مشغول تھے۔ جہاں ہر طرف آخرت کا سامان بِک رہا تھا وہاں لوگوں کو دنیا کا سامان خریدنے کے سوا کسی اور چیز سے دل چسپی نہ تھی۔ جس جگہ کا یہ حق تھا کہ خدا کا ڈر انھیں پیچھے کر دے وہاں لوگ دوسروں کو دھکا دے کر آگے بڑھ جانے کی مہارت دکھا رہے تھے''۔

چند تاثرات

مذکورہ سفرنامہ میں حج کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

''4 اکتوبر 1982 کی شام کو ہم نے طواف وداع کیا، اور رات کو مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ کعبہ کا آخری طواف کر کے جب میں حرم سے نکلا تو میری عجیب کیفیت تھی۔ بار بار مڑ کر حرم کو دیکھتا تھا۔ قدم آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور دل پیچھے کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں اپنے وطن اصلی سے نکل کر وطن غیر کی طرف جا رہا ہوں۔ اس طرح کی کیفیات کے ساتھ ہم مسجد حرام سے رخصت ہو کر 4 اکتوبر کی شب کو مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے''۔

”حرم مدینہ میں داخلہ بڑا اثر انگیز تھا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی ایک پوری تاریخ آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ میری زبان سے یہ دعا نکلی کہ خدایا، میں تیرے رسول پر صلوۃ و سلام بھیجتا ہوں۔ مجھ کو اپنے رسول کی امت میں شامل کر لے۔ مجھ کو ان لوگوں میں لکھ لے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے۔ اور جن کی شفاعت کو قبول کر کے آپ انھیں جہنم سے بچالیں گے اور جنت میں داخل کریں گے۔ کیسا عجیب ہے وہ دن جو آچکا اور کیسا عجیب ہے وہ دن جو آنے والا ہے“۔

”مدینہ میں ہمارا قیام مسجد نبوی کے بالکل قریب ایک ہوٹل میں تھا۔ اذان اور تکبیر تک کی آواز ہمارے کمرے میں پہنچتی تھی۔ کئی دن تک مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ مگر یہاں نمازیوں کا ہجوم اس قدر ہوتا ہے کہ بہ مشکل کسی کو سکون اور توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ مکہ کے قیام کے ابتدائی دنوں میں میرے ساتھ یہی صورت پیش آئی تھی۔ اس کے بعد میں مسجد حرام کی اوپر کی منزل پر نماز پڑھنے لگا۔ وہاں مجھے کافی سکون رہتا تھا۔ مسجد نبوی کو معلوم نہیں کس مصلحت کی بنا پر دو منزلہ نہیں بنایا گیا کہ میرے جیسا کوئی آدمی وہاں پناہ لے سکے۔

مسجد نبوی غیر معمولی طور پر وسیع اور شاندار ہے۔ مگر زائرین کی بڑھتی ہوئی تعداد نے تمام وسعتوں کے باوجود اس کو ناکافی بنا دیا ہے۔ تاہم میرے جیسے آدمی کے لیے یہ منظر کوئی خوش گوار منظر نہ تھا کہ مسجد نبوی کے اطراف کو دکانوں اور ہوٹلوں نے گھیر رکھا ہے۔ صرف ایک طرف کا حصہ دکانوں اور ہوٹلوں سے خالی ہے جس کے اوپر خیمہ نما تعمیرات نمازیوں کے لیے کھڑی ہوئی ہے۔ کاش مسجد کے چاروں طرف کھلا ہوا میدان ہوتا تو مسجد کی عظمت زیادہ نمایاں ہوتی“۔ تقریباً یہی صورت حال حرم مکہ کی بھی ہے۔

"30 ستمبر 1982 کو حج کے مناسک کی تکمیل ہوئی۔ اور ہم دوبارہ مکہ واپس آئے۔ مطابع دار الثقافہ (مکہ) کی طرف سے ہر سال حاجیوں کے اعداد و شمار شائع کیے جاتے ہیں۔ اس کے اعلان کے مطابق اس سال (1402ھ) سعودی عرب کو چھوڑ کر دوسرے تمام ممالک سے آنے والے حاجیوں کی کل تعداد 853555 تھی۔ زیادہ تعداد والے چند ملکوں کے نام یہ ہیں:

1۔ مصر	98408
2۔ ایران	89503
3۔ نائیجیریا	81128
4۔ پاکستان	72844
5۔ انڈونیشیا	57478
6۔ ترکی	53788
7۔ الجزائر	40400
8۔ شام	27890
9۔ ہندستان	26229

سعودی حکومت نے بے شمار اعلیٰ انتظامات کیے ہیں۔ اس انتظامات نے موجودہ زمانہ میں حج کو بہت آسان بنا دیا ہے۔ تاہم ایک چیز ایسی ہے جس کا اس کے پاس شاید کوئی حل نہیں۔ اور وہ حاجیوں کا ہجوم ہے۔ خاص طور پر شیطان کو پتھر مارنے کے موقع پر لوگ جس طرح ایک دوسرے کے اوپر ٹوٹتے ہیں وہ انتہائی حد تک افسوس ناک ہے۔ بے شمار انسان بیک وقت شیطان کو مارنے کے لیے اس طرح ہجوم کرتے ہیں کہ ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ علامتی شیطان کو کنکری مارنے کا انھیں اتنا جوش ہے کہ اس کی خاطر وہ حقیقی انسان کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ خدا کے ایک حکم کی تعمیل کے شوق میں خدا کے دوسرے حکم کو نظر انداز کرنے کی اس سے زیادہ بری مثال اب تک میں نے اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھی تھی۔ کئی آدمی ایسے نظر پڑے جن کے ہاتھ یا پاؤں میں پلاسٹر بندھا ہوا تھا۔ ایک منظر یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ رمی کے وقت ایک حاجی گر پڑا اور حاجیوں کے قدموں کے نیچے کچل کر ختم ہو گیا۔ لوگوں نے بتایا کہ اس طرح کے واقعات ہر سال ہوتے رہتے ہیں۔ کیسا عجیب ہے وہ حج جس میں انسان دشمن کی ایک علامت کو مارنے کے جوش میں خود انسان کو مار ڈالا جائے''۔

تجدید ایمان

''حج ایک قسم کا تجدید ایمان ہے۔ حج سے پہلے کا ایمان گویا ایک موقّت ایمان ہے۔ اس کے بعد مومن جب مکہ پہنچتا ہے اور لبیک لبیک کہہ کر بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو گویا وہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہے۔ وہ براہِ راست خدا سے ''بیعت'' ہوتا ہے۔

حج کے بعد گناہوں کی معافی عین اس قانون کے تحت ہے جو قبولیت اسلام سے متعلق ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آدمی کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بندے کے ساتھ یہ معاملہ ایمان اوّل کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایمان ثانی کے بعد گویا اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ ایمانِ اوّل اگر بالواسطہ ایمان تھا تو ایمان ثانی براہِ راست ایمان ہے۔ معذوری کی حالت میں ایمان اوّل ہی خدا کی رحمت سے آدمی کے گناہوں کی معافی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ مگر صاحب استطاعت کے لیے ایمان ثانی کے بعد اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو اور پھر بھی حج ادا کیے بغیر مر جائے تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرا یا نصرانی ہو کر مرا: مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ

اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلاَ عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا (سنن الترمذی، حدیث نمبر812)“۔

اسلام کا خلاصہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا ہے۔ حج میں یہ حوالگی پوری طرح عمل میں آتی ہے۔ عرفات کے میدان میں جب تمام حاجی ”حاضر ہوں، خدایا، میں حاضر ہوں“ کہتے ہوئے جمع ہوتے ہیں تو یہ اسی بات کا ایک اجتماعی مظاہرہ ہوتا ہے۔ حج گویا خدا کے سامنے حاضری ہے۔ قیامت میں ہر شخص گرفتار کر کے خدا کے یہاں حاضر کیا جائے گا، حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں پہنچنا گویا خود اپنی مرضی سے خدا کے یہاں حاضر ہو جانا ہے۔

”حقیقت یہ ہے کہ حج تمام عبادتوں کا سردار ہے۔ کعبہ کا جو درجہ دوسری مسجدوں کے درمیان ہے وہی درجہ حج کا دوسری عبادتوں کے درمیان“۔

حج اور اتحاد

حج کا ایک پہلو اسلامی اتحاد ہے۔ حج کے موقع پر تمام دنیا کے مسلمان ایک مقام پر اکٹھا ہوتے ہیں اور ایک ساتھ حج کے مراسم ادا کرتے ہیں۔ حج مسلمانوں کا عالمی دینی اجتماع ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی چند آیتوں پر غور کیجئے:

- وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا (2:125)۔ یعنی، اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے اجتماع کی جگہ اور امن کا مقام بنا دیا۔
- إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (3:96)۔ یعنی، بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہاں کے لیے ہدایت کا مرکز۔
- جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ (5:97)۔ یعنی، اللہ نے کعبہ، حرمت والے گھر کو لوگوں کے لیے قیام کا باعث بنایا۔
- فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ (14:37)۔ یعنی، پس اے اللہ، تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔
- وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (22:27)۔ یعنی، اور تم لوگوں میں حج کے لیے پکار دو کہ وہ تمہاری طرف آئیں پیدل چل کر اور سوار ہو کر، وہ دُبلے اونٹوں پر چلے آئیں دور کی راہوں سے۔

توحید کا عالمی مرکز

قرآن کی ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے ذریعہ حجاز میں کعبہ کی تعمیر خاص طور پر اس لیے کی گئی تھی کہ وہ اہل توحید کا مرکز بنے۔ قریب کے لوگ بھی آئیں اور دور

کے لوگ بھی سواریوں کے ذریعہ وہاں پہنچیں۔ کعبہ کے گرد ایسے تاریخی اسباب پیدا کیے گئے کہ لوگوں کے دل اس کی طرف کھنچیں۔ اور ہر طرف سے لوگ امنڈ کر وہاں پہنچیں۔ بیت اللہ قیامت تک کے لیے خدا کا مقرر کیا ہوا عالمی اسلامی مرکز ہے۔ وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع گاہ ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ لوگوں سے پکار کر کہو کہ وہ سفر کر کے اس گھر کے حج کے لیے آئیں:

قَالَ يَا رَبّ كَيْف أُبَلِّغ النَّاس وَصَوْتِي لَا يَنْفُذهُمْ فَقَالَ نَادِ وَعَلَيْنَا الْبَلَاغ فَقَامَ عَلَى مَقَامه وَقِيلَ عَلَى الْحِجْر وَقِيلَ عَلَى الصَّفَا وَقِيلَ عَلَى أَبِي قُبَيْس وَقَالَ : يَا أَيّهَا النَّاس إِنَّ رَبّكُمْ قَدْ اِتَّخَذَ بَيْتًا فَحُجُّوهُ فَيُقَال إِنَّ الْجِبَال تَوَاضَعَتْ حَتَّى بَلَغَ الصَّوْت أَرْجَاء الْأَرْض وَأَسْمَعَ مَنْ فِي الْأَرْحَام وَالْأَصْلَاب وَأَجَابَهُ كُلّ شَيْء سَمِعَهُ مِنْ حَجَر وَمَدَر وَشَجَر وَمَنْ كَتَبَ اللّٰه أَنَّهُ يَحُجّ إِلَى يَوْم الْقِيَامَة لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ (تفسیر ابن کثیر، جلد 5، صفحہ 414)۔ یعنی، حضرت ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب کیسے میں لوگوں کو پکاروں اور میری آواز ان تک نہیں پہنچے گی۔ اللہ نے کہا تم پکارو اور ہمارے اوپر ہے پہنچانا۔ پس حضرت ابراہیم پتھر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے لوگو، تمہارے رب نے ایک گھر مقرر کیا ہے، تم اس کا حج کرو۔ پس کہا جاتا ہے کہ پہاڑ جھک گئے یہاں تک کہ آواز زمین کے کناروں تک پہنچ گئی اور انھوں نے بھی سن لیا جو رحم میں تھے۔ اور پتھر اور خیمہ اور درخت اور جس پر قیامت تک اللہ نے لکھ دیا تھا کہ وہ حج کرے گا سب نے سنا اور یہ کہا: ہم حاضر ہیں، خدایا، ہم حاضر ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابراہیم نے جس وقت پکارا، عین اسی وقت حال اور مستقبل کے تمام لوگوں نے آپ کی آواز کو سن لیا۔ حضرت ابراہیم کی پکار علامتی پکار تھی۔ بے

شک تمام لوگوں نے اس کو سنا۔ مگر یہ سننا اس وقت بالقوہ طور پر تھا، نہ کہ بالفعل طور پر۔ حضرت ابراہیم کی پکار دراصل ایک مسلسل واقعہ کا آغاز تھا۔ آپ نے اپنے وقت میں پکارا۔ آپ کے بعد دوسرے لوگوں نے آپ کی آواز کو لے کر اسے دوسروں کو سنایا۔ پھر اسی طرح لوگ نسل در نسل پکارتے رہے۔ پریس اور ریڈیو کا دور آیا تو پریس اور ریڈیو کے ذریعہ یہ پکار مزید تیزی کے ساتھ شروع ہوئے۔ وہ پہاڑوں اور سمندروں کو پار کر کے دور دور تک پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ اس کا اندیشہ ختم ہو گیا کہ کوئی شخص بھی اس پیغمبرانہ پکار کو سننے سے خالی رہ جائے۔

عمومی اعلان

حج اجتماعی امور کے اعلان کا فطری مقام ہے۔ چنانچہ اسلام کے اہم ترین امور کا اعلان حج کے موقع پر کیا گیا۔ اس کی ایک مثال اعلانِ براءت ہے جو سورہ التوبہ کے اترنے کے بعد کیا گیا۔

مکہ رمضان 8ھ میں فتح ہوا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تین حج پڑے ہیں۔ ابتدائی دو حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لے گئے۔ آپ نے صرف 10ھ میں حج ادا فرمایا جو عام طور پر حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہو گئی۔

9ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر الحجاج مقرر فرمایا اور ان کے ساتھ دوسرے صحابہ حج کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر کی روانگی کے بعد سورہ التوبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں یہ حکم تھا کہ اس بات کا اعلان کر دو کہ اللہ اور رسول مشرکین سے بری ہیں۔ اور اب آخری فیصلہ کے لیے انھیں صرف چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں روایات میں آتا ہے:

لَمَّا نَزَلَتْ بَرَاءَة عَلَى رَسُول اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ كَانَ بَعَثَ أَبَا

بَكْر لِيُقِيمَ الْحَجّ لِلنَّاسِ فَقِيلَ يَا رَسُول اللَّه : لَوْ بَعَثْت إِلَى أَبِي بَكْر فَقَالَ "لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا رَجُل مِنْ أَهْل بَيْتِي " ثُمَّ دَعَا عَلِيًّا فَقَالَ " اِذْهَبْ بِهَذِهِ الْقِصَّة مِنْ سُورَة بَرَاءَة وَأَذِّنْ فِي النَّاس يَوْم النَّحْر إِذَا اِجْتَمَعُوا بِمِنًى أَنَّهُ لَا يَدْخُل الْجَنَّة كَافِر وَلَا يَحُجّ بَعْد الْعَام مُشْرِك وَلَا يَطُوف بِالْبَيْتِ عُرْيَان" (تفسیر الطبری، جلد 14، صفحہ 108)۔ یعنی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیاتِ براءت اتری اس وقت آپ حضرت ابوبکر کو بھیج چکے تھے کہ وہ لوگوں کو حج ادا کرائیں، اس وقت کہا گیا کہ اے خدا کے رسول، آپ اس کو ابوبکر کے پاس بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے گھر کا کوئی آدمی اس کو انجام دے سکتا ہے، پھر آپ نے حضرت علی کو بلایا اور کہا کہ سورہ البراءۃ کے اس حکم کو لے کر جاؤ اور یوم النحر کو جب لوگ منیٰ میں جمع ہوں تو ان کے درمیان اعلان کردو کہ کافر جنت میں نہیں جائے گا۔ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہیں کرنے پائے گا۔

حضرت علی کہتے ہیں کہ میں مکہ گیا اور مجمع عام میں گھوم گھوم کر بآواز بلند اس کا اعلان کرتا رہا کہ یہاں تک کہ میری آواز بیٹھ گئی: قَالَ فَكُنْتُ أُنَادِي حَتَّى صَحِلَ صَوْتِي (مسند احمد، حدیث نمبر 7977)۔

مشرکین عرب سے براءت کا حکم مدینہ میں اترا مگر اس کا اعلان مکہ میں موسم حج میں کیا گیا یہ واضح طور پر اس کا ثبوت ہے کہ اسلام کے تمام اہم فیصلوں کے اعلان کا اصل مقام مکہ اور زمانہ حج ہے۔ حج تمام دنیا کے مسلمانوں کا اجتماعی مرکز ہے۔ یہیں ان کو جمع ہونا ہے۔ یہیں انھیں اپنے بڑے بڑے فیصلوں کا اعلان کرنا ہے۔ اور یہیں سے وہ عالمی منصوبہ بندی کرنی ہے جو خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ان کے لیے ضروری ہو۔

اس سلسلہ میں دوسری نمایاں مثال حجۃ الوداع کے خطبہ کی ہے۔ یہ آپ کا اہم ترین

خطبہ ہے۔ آپ اپنی وفات سے پہلے آخری طور پر لوگوں کو بتا دینا چاہتے تھے کہ دین کے بنیادی تقاضے کیا ہیں۔ مگر ان کا اعلان آپ نے کہیں اور نہیں کیا بلکہ اس کو موخر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ 10 ھ میں حج کے موقع پر ان کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ خطبہ کے شروع میں یہ الفاظ آئے ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ، اسْمَعُوا قَوْلِي، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا بِهَذَا الْمَوْقِفِ أَبَدًا (سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 603)۔ یعنی، اے لوگو، میری بات سنو، کیونکہ میں نہیں جانتا، شاید میں اس سال کے بعد تم سے اس مقام پر کبھی نہ ملوں۔

اس کے بعد آپ نے تمام بنیادی باتیں لوگوں کو بتائیں اور آخر میں فرمایا: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ (کیا میں نے پہنچا دیا، کیا میں نے پہنچا دیا)۔ لوگوں نے گواہی دی کہ ہاں، آپ نے پہنچا دیا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 105 و 1741)۔

فتح مکہ (8 ھ) کے بعد پورا عرب آپ کے لیے مسخر ہو چکا تھا۔ آپ عرب کے کسی بھی مقام پر پہنچ کر یہ اعلان کر سکتے تھے۔ اس وقت مدینہ اسلام کا سیاسی مرکز تھا۔ آپ یہ بھی کر سکتے تھے کہ لوگوں کو مدینہ میں بلائیں اور وہاں لوگوں کے سامنے ان باتوں کا اعلان کریں جن کا اعلان آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا، مگر آپ نے ان میں سے کوئی طریقہ اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ حج کا انتظار کیا اور حج کے موقع پر مکہ پہنچ کر ان کا اعلان کیا۔ آپ کی یہ سنت اس کا واضح ثبوت ہے کہ حج اسلام کی تمام اہم باتوں کا مقامِ اعلان ہے۔

فطری انداز

اس اہتمام کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسلام ہمیشہ سادہ اور فطری طریقہ کو پسند کرتا ہے۔ مثلاً حج کے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ صفا اور مروہ (پہاڑیوں) کے درمیان سعی کی جائے۔ اس سلسلہ میں ایک سوال ترتیب کا تھا۔ یعنی یہ کہ سعی کا عمل صفا کی طرف سے شروع

کیا جائے یا مروہ کی طرف سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر یہ عمل کیا تو فرمایا :أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 1218) ۔یعنی، میں اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے شروع کیا۔

اس سے آپ کا اشارہ قرآن کی اس آیت کی طرف تھا: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (2:158) ۔یعنی، صفا اور مروہ، بیشک اللہ کی یادگاروں میں سے ہیں۔ یہ وہ آیت ہے جس میں حاجی کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت کی ترتیب بیان یہ ہے کہ اس میں صفا کا لفظ پہلے ہے اور مروہ کا لفظ اس کے بعد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ترتیب بیان ہی کو ترتیب عمل بھی بنا لو۔ تا کہ ایک ترتیب کا یاد رکھنا دوسری ترتیب کے لیے کافی ہو جائے۔ دو ترتیب الگ الگ یاد رکھنی نہ پڑے۔

حج کو مقام اعلان بنانے میں بھی یہی فطری حکمت ہے۔ حج کی عبادت کو ادا کرنے کے لیے تمام دنیا کے مسلمان ہر سال ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور ہمیشہ جمع ہوتے رہیں گے۔ اس لیے اللہ نے اسی کو اجتماعی اعلان کا مقام بنا دیا۔ تا کہ ایک ہی اجتماع دونوں مقصد کے حصول کے لیے کافی ہو جائے۔

حج کے موقع پر اجتماعی اعلان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طرح اس کو ایک مقدس حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ حج کا مقام مسلمانوں کا انتہائی مقدس مقام ہے، اس لیے جو اعلان حج کے مقام پر کیا جائے وہ بھی اپنے آپ لوگوں کی نظر میں مقدس اور محترم بن جائے گا۔

حج کی اجتماعیت

حج اسلام کی ایک نہایت اہم سالانہ عبادت ہے۔ وہ قمری کیلنڈر کے آخری ماہ ذوالحجہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ حج کی عبادت کے مراسم بیت اللہ (مکہ) میں یا اس کے آس پاس کے مقامات پر ادا کیے جاتے ہیں جو عرب میں واقع ہے۔ اس عبادت کو تمام عبادتوں کا جامع کہا

جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں ہر قسم کے عبادتی پہلو پائے جاتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک اجتماعی پہلو بھی ہے حج کی عبادت میں اجتماعیت کا پہلو بہت نمایاں طور پر موجود ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (1984) میں حج کی تفصیل دیتے ہوئے یہ جملہ لکھا گیا ہے :

> "About 2,000,000 persons perform the Hajj each year. and the rite serves as a unifying force in Islam by bringing followers of diverse background together in religious celebration."
>
> (*Encyclopedia Britannica,* 1985, Vol. 4, p. 844)

تقریباً دو ملین آدمی ہر سال حج کرتے ہیں اور یہ عبادت مختلف ملکوں کے مسلمانوں کو ایک مذہبی تقریب میں یکجا کر کے اسلام میں اتحادی طاقت کا کام کرتی ہے۔

قرآن میں حج کا حکم دیتے ہوئے یہ الفاظ آئے ہیں: وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا (2:125)۔ یعنی خدا نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے مثابہ بنایا اور اس کو امن کی جگہ بنا دیا۔ "مثابہ" کے معنی عربی زبان میں تقریباً وہی ہیں جس کو آج کل کی زبان میں مرکز کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوں۔ جس کی طرف سب لوگ رجوع کریں جو سب کا مشترک مرجع اور شیرازہ ہو۔

حج کی عبادت کے لیے ساری دنیا سے ہر ہر ملک کے لوگ آتے ہیں۔ ہر ہر قوم کے لوگ آتے ہیں۔ ان کی تعداد سالانہ تقریباً 25 لاکھ ہو جاتی ہے۔ حج کے موسم میں مکہ اور اس کے آس پاس ہر طرف آدمی ہی آدمی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ ان کے حلیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ مگر یہاں آنے کے بعد سب کی سوچ ایک ہو جاتی ہے۔ سب ایک ہی مشترک نشانہ پر چلتے نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی ربانی مقناطیس ہے جو "لوہے" کے تمام ٹکڑوں کو ایک نقطہ پر کھینچے چلا جا رہا ہے۔

مختلف ملکوں کے یہ لوگ جب مقامِ حج کے قریب پہنچتے ہیں تو سب کے سب اپنا قومی لباس اتار دیتے ہیں اور سب کے سب ایک ہی مشترک لباس پہن لیتے ہیں جس کو احرام کہا جاتا ہے۔ احرام باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر سلی ہوئی ایک سفید چادر نیچے تہمد کی طرح پہن لی جائے اور اسی طرح ایک سفید چادر اوپر سے جسم پر ڈال لی جائے۔ اس طرح لاکھوں انسان ایک ہی وضع اور ایک ہی رنگ کے لباس میں ملبوس ہو جاتے ہیں۔

یہ سارے لوگ مختلف مراسم ادا کرتے ہوئے بالآخر عرفات کے وسیع میدان میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ اس وقت ایک عجیب منظر ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انسانوں کے تمام فرق اچانک مٹ گئے ہیں۔ انسان اپنے تمام اختلافات کو کھو کر خدائی وحدت میں گم ہو گئے ہیں۔ تمام انسان ایک ہو گئے ہیں جیسے ان کا خدا ایک ہے۔

عرفات کے وسیع میدان میں جب احرام باندھے ہوئے تمام حاجی جمع ہوتے ہیں، اس وقت کسی بلندی سے دیکھا جائے تو ایسا نظر آئے گا کہ زبان، رنگ، حیثیت، جنسیت کے فرق کے باوجود سب کے سب انسان بالکل ایک ہو گئے ہیں۔ اس وقت مختلف قومیں ایک ہی بڑی قومیت میں ضم ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کے حج اجتماعیت کا اتنا بڑا مظاہرہ ہے کہ اس کی کوئی دوسری مثال غالباً دنیا میں کہیں اور نہیں ملے گی۔

کعبہ مسلمانوں کا قبلۂ عبادت ہے۔ مسلمان ہر روز پانچ وقت اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ گویا ساری دنیا کے مسلمانوں کا عبادتی قبلہ ایک ہی ہے۔ عام حالت میں وہ ایک تصوراتی حقیقت ہوتا ہے۔ مگر حج کے دنوں میں مکہ پہنچ کر وہ ایک آنکھوں دیکھی حقیقت بن جاتا ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان یہاں پہنچ کر جب اس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو محسوس طور پر دکھائی دینے لگتا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا مشترک قبلہ ایک ہی ہے۔

کعبہ ایک چوکور قسم کی اونچی عمارت ہے۔ اس عمارت کے چاروں طرف گول دائرہ

میں سارے لوگ گھومتے ہیں جس کو طواف کہا جاتا ہے۔ وہ صف بہ صف ہو کر اس کے گرد گول دائرہ میں عبادت کرتے ہیں۔ حج کے دوران وہ ان کی تمام توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔ اس طرح حج ایک ایسی عبادت بن جاتا ہے جو اپنے تمام اعمال اور تقریبات کے ساتھ انسان کو اجتماعیت اور مرکزیت کا سبق دے رہا ہے۔

حج کی تاریخ

حج کی تاریخ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی زندگی سے وابستہ ہے۔ یہ دونوں ہستیاں وہ ہیں جن کو نہ صرف مسلمان خدا کا پیغمبر مانتے ہیں بلکہ دوسرے بڑے مذاہب کے لوگ بھی ان کو عظیم پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ اس طرح حج کے عمل کو تاریخی طور پر تقدس اور عظمت کا وہ درجہ مل گیا ہے جو دنیا میں کسی دوسرے عمل کو حاصل نہیں۔

حضرت ابراہیم قدیم عراق میں پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل ان کے صاحبزادے تھے۔ اس وقت عراق ایک شاندار تمدن کا ملک تھا۔ آزر حضرت ابراہیم کے والد اور حضرت اسماعیل کے دادا تھے۔ ان کو عراق کے سرکاری نظام میں اعلیٰ عہدہ دار کی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے لیے عراق میں شاندار ترقی کے اعلیٰ مواقع کھلے ہوئے تھے۔ مگر عراق کے مشرکانہ نظام سے وہ موافقت نہ کر سکے۔ ایک خدا کی پرستش کی خاطر انھوں نے اس علاقہ کو چھوڑ دیا جو کئی خداؤں کی پرستش کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ عراق کے سرسبز ملک کو چھوڑ کر عرب کے خشک صحرا میں چلے گئے جہاں کی سنسان دنیا میں خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی اور چیز حائل نہ تھی۔ یہاں انھوں نے ایک خدا کے گھر کی تعمیر کی۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے اس عمل کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کئی خداؤں کو اپنا مرجع بنانے کے بجائے ایک خدا کو اپنا مرجع بنایا۔ اور اس مقصد کے لیے بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر کی جو خدائے واحد کی عبادت کا عالمی

مرکز ہے۔ یہی مرکز توحید حج کے مراسم کی ادائیگی کا مرکز بھی ہے۔

حج کی عبادت میں جو مراسم ادا کیے جاتے ہیں ان کے بعض پہلوؤں کو دیکھیے۔ حج کے دوران حاجی سب سے زیادہ جو کلمہ بولتا ہے وہ یہ ہے:

اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ، لَا إِلَہَ إِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر 9538)۔ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور اسی کے لیے ہے ساری تعریف۔

حاجی کی زبان سے بار بار یہ الفاظ کہلوا کر تمام لوگوں کے اندر یہ نفسیات پیدا کی جاتی ہے کہ بڑائی صرف ایک اللہ کی ہے۔ اس کے سوا جتنی بڑائیاں ہیں، سب اس لیے ہیں کہ اسی ایک عظیم تر بڑائی میں گم ہو جائیں۔ یہ احساس اجتماعیت کا سب سے بڑا راز ہے۔ اجتماعیت اور اتحاد ہمیشہ وہاں نہیں ہوتا جہاں ہر آدمی اپنے کو بڑا سمجھ لے۔ اس کے برعکس، جہاں تمام لوگ کسی ایک کے حق میں اپنی انفرادی بڑائی سے دست بردار ہو جائیں وہاں اتحاد اور اجتماعیت کے سوا کوئی اور چیز پائی نہیں جاتی۔ بے اتحادی بڑائیوں کی تقسیم کا نام ہے اور اتحاد بڑائیوں کی وحدت کا۔

اسی طرح حج کا ایک اہم رکن طواف ہے۔ دنیا بھر کے لوگ جو حج کے موسم میں مکہ میں جمع ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ یہ اس بات کا عملی اقرار ہے کہ آدمی اپنی کوششوں کا مرکز ومحور صرف ایک نقطہ کو بنائے گا۔ وہ ایک ہی دائرہ میں حرکت کرے گا۔ یہ عین وہی مرکز ہے جو مادی سطح پر نظامِ شمسی میں نظر آتا ہے۔ نظامِ شمسی کے تمام سیارے ایک ہی سورج کو مرکزی نقطہ بنا کر اس کے گرد گھومتے ہیں۔ اسی طرح حج یہ سبق دیتا ہے کہ انسان ایک خدا کو اپنا مرجع بنا کر اس کے دائرے میں گھومے۔

اس کے بعد حاجی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے۔ وہ صفا سے مروہ کی طرف جاتا

ہے اور پھر مروہ سے صفا کی طرف لوٹتا ہے۔ اس طرح وہ سات چکر لگاتا ہے۔ یہ عمل کی زبان میں اس بات کا سبق ہے کہ آدمی کی دوڑ دھوپ ایک حد کے اندر بندھی ہوئی ہونی چاہیے۔ اگر آدمی کی دوڑ دھوپ کی کوئی حد نہ ہو تو کوئی ایک طرف بھاگ کر نکل جائے گا اور کوئی دوسری طرف۔ مگر جہاں دوڑ دھوپ کی حد بندی کر دی گئی ہو وہاں ہر آدمی بندھا رہتا ہے۔ وہ بار بار وہیں لوٹ کر آتا ہے جہاں اس کے دوسرے بھائی اپنی سرگرمیاں جاری کیے ہوئے ہوں۔

یہی حج کے دوسرے تمام مراسم کا حال ہے۔ حج کے تمام مراسم مختلف پہلوؤں سے لوگوں کو ایک ہونے اور مل کر کام کرنے کا سبق دیتے ہیں۔ وہ ایک آواز پر حرکت کرنے کا عملی مظاہرہ ہیں۔

مرکز اتحاد

حج اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے خدا کی طرف سفر ہے۔ عام انسان موت کے بعد خدا کے دربار میں حاضر ہوں گے، مومن موت سے پہلے ہی اپنے آپ کو خدا کے دربار میں حاضر کر دیتا ہے۔ دوسروں کی خدا کے یہاں حاضری مجبورانہ حاضری ہے۔ اور مومن کی خدا کے یہاں حاضری اختیارانہ حاضری۔ عرفات کے میدان میں بیک وقت ساری دنیا کے حاجیوں کا اجتماع یہی منظر پیش کرتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے : الْحَجُّ عَرَفَةُ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 55)۔ عرفہ ہی حج ہے۔

تاہم حج ایک جامع عبادت ہے۔ اس میں دوسرے تمام پہلو بھی براہِ راست یا بالواسطہ انداز میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ انھیں مزید فائدے میں سے ایک یہ ہے کہ حج عالمی اسلامی اتحاد کا ذریعہ ہے کعبہ گویا وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد دنیا بھر کے خدا پرستوں کا عبادتی دائرہ قائم ہوتا ہے۔

عرفات کی حاضری کا اصل پہلو وہی ہے جو اخروی ہے۔ تاہم اس میں اہلِ اسلام کے

اتحاد کا بھی گہرا راز چھپا ہوا ہے۔ کیونکہ اتحاد ایک مرکز پر جمع ہونے کا نام ہے۔ مسلمان جب حج کے موقع پر اپنے رب کے گرد اکٹھا ہوتے ہیں تو اس عمل کے دوران وہ اس مرکزی نقطہ کو بھی دریافت کر لیتے ہیں جو ان کی کثرت کو وحدت میں تبدیل کر سکے۔ وہ اپنی آخرت کا راز پانے کے ساتھ اپنی دنیا کا راز بھی پا لیتے ہیں۔

میرے سامنے دیوار پر بیت اللہ کی تصویر ہے۔ وسیع مسجد کے درمیان کعبہ کی جانی پہچانی عمارت ہے اور اس کے چاروں طرف لاکھوں انسان گول دائرہ میں اپنے رب کے آگے جھکے ہوئے عبادت کر رہے ہیں۔ یہ سالانہ اجتماعی نماز ہے جو ہر بار حج کے مہینہ میں ادا کی جاتی ہے۔ اس میں دنیا بھر کے 25 لاکھ سے زیادہ مسلمان شرکت کرتے ہیں۔ یہ پوری طرح ایک مرئی واقعہ ہے اور اس کا فوٹو لیا جا سکتا ہے۔

مگر کعبہ کو قبلہ بنا کر اس کے گرد نماز پڑھنے والے صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو حرم کعبہ میں دکھائی دیتے ہیں، حرم کعبہ کے باہر کے مسلمانوں کا معاملہ بھی یہی ہے۔ تمام عرب کے لوگ اسی طرح روزانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح سارے ایشیا اور افریقہ کے مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ دائرہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سارے کرۂ ارض پر پھیل جاتا ہے۔

تصور کی آنکھوں سے دیکھیے تو جو واقعہ صحن کعبہ میں ہوتا ہے وہی واقعہ زیادہ بڑے پیمانہ پر ہر روز ساری دنیا میں ہو رہا ہے۔ ساری دنیا کے لوگ روزانہ پانچ بار کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔

وہ ساری دنیا میں کعبہ کے چاروں طرف کھڑے ہوتے ہیں۔ اس طرح گویا ہر روز پانچ بار روئے زمین پر مسلمانوں کا گول دائرہ بنتا ہے۔ درمیان میں کعبہ ہوتا ہے اور ساری دنیا میں اس کے گرد دائرہ بنائے ہوئے مسلمان نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی عظیم اور مکمل اجتماعیت ہے جس کی مثال کسی بھی دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی گروہ کے یہاں نہیں ملتی۔

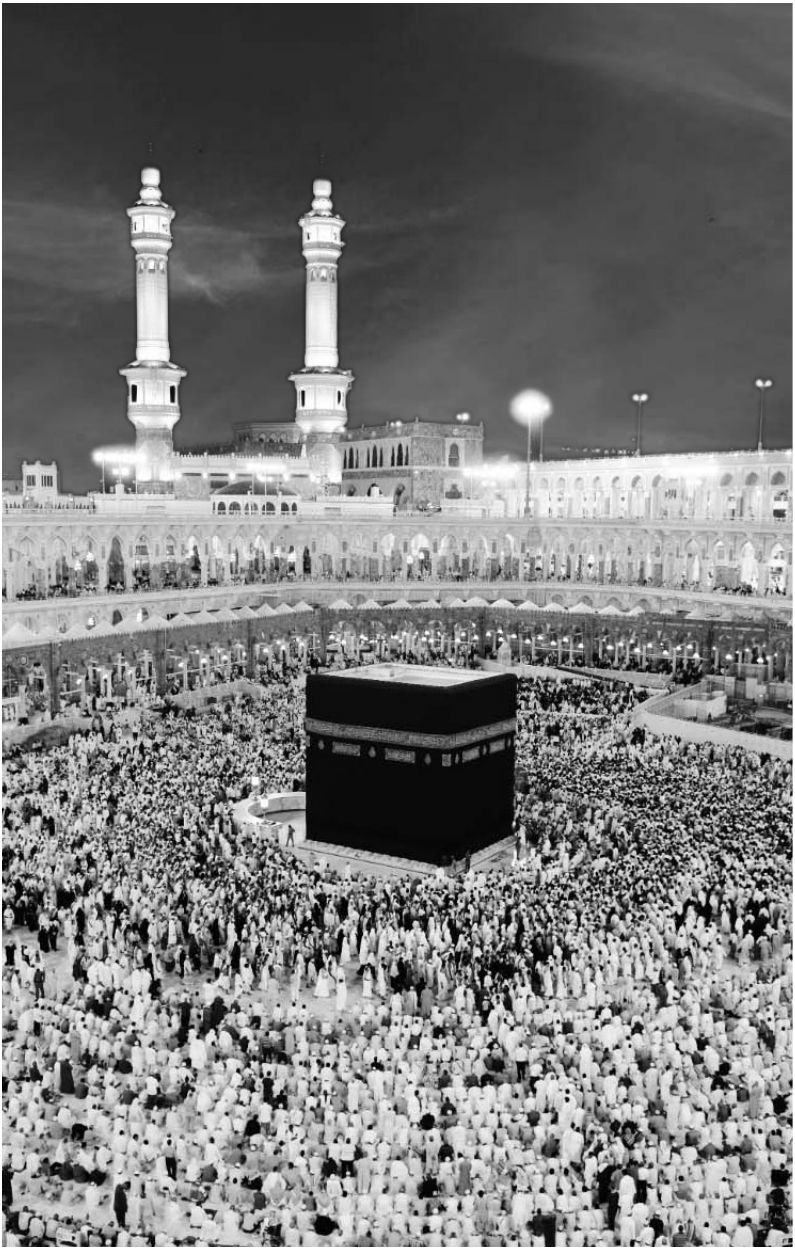

یہ ایک عظیم الشان نظام ہے جو ہزاروں سال کی تاریخ کے ذریعہ قائم ہوا ہے۔ مسلمانوں کے اندر اس کا حقیقی شعور ہو اور وہ اس سے وہ سبق لے سکیں جس کے لیے یہ عظیم الشان نظام بنایا گیا ہے تو مسلمانوں کی زندگی میں ایک انقلاب آجائے۔ ان کا ہر فرد ایک عالم گیر مقدس اجتماعیت کے ساتھ متحد ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ کعبہ زمین پر خدا کا نشان ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے اتحاد اور اجتماعیت کا نشان بھی۔ ایکتا کے اس عظیم تربیتی نظام ہی کا یہ بھی ایک ظاہری پہلو ہے کہ تمام لوگوں سے ان کے انفرادی لباس اُتروا کر سب کو ایک ہی سادہ لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ یہاں بادشاہ اور رعایا کا فرق مٹ جاتا ہے۔ یہاں مشرقی لباس اور مغربی لباس کے امتیازات فضا میں گم ہو جاتے ہیں۔ احرام کے مشترک لباس میں تمام لوگ اس طرح نظر آتے ہیں جیسے کہ تمام لوگوں کی صرف ایک حیثیت ہے۔ تمام لوگ صرف ایک خدا کے بندے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو کوئی اور حیثیت حاصل نہیں۔

حج کے مقررہ مراسم اگرچہ مکہ میں ختم ہو جاتے ہیں مگر بیشتر حاجی حج سے فارغ ہو کر مدینہ بھی جاتے ہیں۔ مدینہ کا قدیم نام یثرب تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں اس کو اپنا مرکز بنایا۔ اس وقت سے اس کا نام مدینۃ النبی (نبی کا شہر) پڑ گیا۔ مدینہ اسی کا اختصار ہے۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔ یہاں آپ کی قبر ہے۔ یہاں آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے نشانات بکھرے ہوئے ہیں۔

ان حالات میں حاجی جب مدینہ پہنچتے ہیں تو یہ ان کے لیے مزید اتحاد اور اجتماعیت کا عظیم سبق بن جاتا ہے۔ یہاں کی مسجد نبوی میں وہ اس یاد کو تازہ کرتے ہیں کہ ان کا رہنما صرف ایک ہے۔ وہ یہاں سے یہ احساس لے کر لوٹتے ہیں کہ ان کے اندر خواہ کتنے ہی جغرافی اور قومی فرق پائے جاتے ہوں، انھیں ایک ہی پیغمبر کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے۔ انھیں ایک ہی مقدس ہستی کو اپنی زندگی کا رہنما بنانا ہے۔ وہ خواہ کتنے ہی زیادہ اور کتنے ہی مختلف ہوں مگر ان کا خدا بھی ایک ہے اور ان کا پیغمبر بھی ایک۔

پرہیزگاری کا سبق

حج کے بارے میں جو آیتیں قرآن میں آئی ہیں، ان میں سے ایک آیت یہ ہے :
الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ (2:197) ۔یعنی، حج کے متعین مہینے ہیں۔ بس جو شخص ان میں حج کا عزم کرے تو اس کے لیے حج میں نہ شہوت کی بات کرنا ہے، نہ فسق کی بات، نہ لڑائی جھگڑا۔ اور تم جو نیکی بھی کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور تم زادِ راہ لو۔ کیونکہ تقویٰ کا زادِ راہ سب سے بہتر ہے۔ اور اے عقل والو مجھ سے ڈرو۔

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں بھی حج کا رواج تھا۔ مگر ان لوگوں کے لیے حج ایک قسم کا قومی میلہ تھا، نہ کہ اللہ واحد کی عبادت۔ چنانچہ اس زمانہ میں حج کے دنوں میں وہ سب کچھ ہوتا تھا جو قومی میلوں میں عام طور پر ہوتا ہے۔ اسلام نے ان تمام چیزوں کو بند کر دیا۔

اس سلسلہ کا ایک حکم یہ دیا گیا کہ حج کے زمانہ میں رفث اور فسوق اور جدال سے مکمل پرہیز کیا جائے۔ رفث سے مراد شہوانی باتیں ہیں۔ فسوق کا مطلب اللہ کی نافرمانی ہے۔ اور جدال سے مراد آپس کا لڑائی جھگڑا ہے۔ یہ چیزیں عام حالات میں بھی منع ہیں۔ مگر حج کے دنوں میں ان کو خصوصی اہتمام کے ساتھ قابل ترک قرار دے دیا گیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ سفر اور اجتماع کی وجہ سے حج کے دنوں میں ان چیزوں کے مواقع نسبتاً زیادہ پیش آتے ہیں۔ آدمی کا شعور اگر ان برائیوں کے خلاف پوری طرح بیدار نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ اس زمانہ میں وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اس میں پڑ جائے گا۔

مومن وہ ہے جو شہوت کے لیے جینے کے بجائے مقصد کے لیے جینے لگے۔ وہ اپنے معاملات میں خدا کی نافرمانی سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو۔ وہ اجتماعی زندگی میں آپس کے لڑائی جھگڑے سے بچا رہے۔ یہ اوصاف مومن کے اندر ہمیشہ ہونے چاہییے۔ مگر حج کے زمانہ میں تو وہ اس بات کی خصوصی علامت ہیں کہ آدمی فی الواقع حاجی بنا ہے یا نہیں۔ اگر آدمی کے اوپر تقویٰ کی وہ کیفیات طاری ہوئی ہوں جو واقعتاً سفر حج کے دوران طاری ہونی چاہییے تو ناممکن ہے کہ وہ ان برائیوں میں پڑے۔ یہ تمام چیزیں تقویٰ کی نفی ہیں جہاں یہ چیزیں ہوں گی وہاں تقویٰ نہیں ہوگا اور جہاں تقویٰ ہوگا وہاں یہ چیزیں بھی لازماً رخصت ہو جائیں گی۔

مزید اہتمام

حج کے دنوں میں جو کچھ کرنا منع ہے وہ وہی ہے جس کو بقیہ دنوں میں بھی کرنا منع ہے۔ حج کے دوران میں ان چیزوں کی ممانعت بطور خصوصی تربیت ہے۔ حج میں شریعت کی ان ممنوعات پر مبالغہ کے ساتھ عمل کرایا جاتا ہے تاکہ ان کے بارے میں آدمی کا احساس تیز ہو اور بقیہ دنوں میں ان سے بچنے کی خصوصی استعداد اس کے اندر پیدا ہو جائے۔

انسان جب اپنے گھر اور کاروبار میں ہوتا ہے تو وہ اپنے ذاتی معاملات میں الجھا رہتا ہے۔ وہ اس سے آگے کی حقیقتوں کو بھول جاتا ہے۔ اس لیے آدمی کو روزانہ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں لایا جاتا ہے تاکہ کچھ دیر کے لیے وہ اپنے ذاتی ماحول سے علیحدہ ہو اور اپنے ذہن کو غیر متعلق چیزوں سے خالی کر کے یکسوئی کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو سکے۔ حج کا سفر بھی اس نوعیت کی ایک چیز ہے۔ حج کے دنوں میں اسی مقصد کے لیے آدمی کو اس کے محدود ماحول سے نکال کر زیادہ لمبی مدت تک کے لیے حجاز (عرب) کے مختلف مقامات پر لے جایا جاتا ہے۔ حج کسی آدمی کے لیے اس کے دنیوی ماحول سے کامل علیحدگی کا نام ہے تاکہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو سکے۔

عرب کے ساتھ بہت سی عظیم دینی روایتیں وابستہ ہیں۔ اس بنا پر حج کے مراسم کی ادائیگی کے لیے عرب کا جغرافیہ سب سے زیادہ موزوں جغرافیہ ہے۔ یہاں کعبہ ہے جس کے بارے میں ہزاروں سال سے تقدس کی روایتیں قائم ہو چکی ہیں۔ یہاں پیغمبروں کی قربانی کی داستانیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں خدا کے نیک بندوں پر خدا کے انعامات کی یادگاریں ہیں۔ یہ وہ زمین ہے جہاں خدا کے آخری رسول اور آپ کے اصحاب کی زندگیوں کے نشانات ثبت ہیں۔

اس قسم کی تاریخی نسبتوں نے حج کے مقامات کے ساتھ غیر معمولی تقدس اور احترام کی فضا وابستہ کر دی ہے۔ یہاں کے ماحول میں پہنچتے ہی آدمی کے ذہن میں ایک پوری دینی تاریخ جاگ اٹھتی ہے۔ یہاں بالکل قدرتی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی دینی حس میں اضافہ ہو جائے۔ وہ زیادہ سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ خدا کے مقرر کیے ہوئے فرائض کو ادا کرنے لگے۔ اسی مخصوص تاریخی اہمیت کی بنا پر اس علاقہ کو خدا نے اس کے لیے چنا کہ یہاں اسلامی زندگی کے بارے میں ایک علامتی مشق (ریہرسل) کرائی جائے، اور پھر آدمی کو دوبارہ اس کے سابقہ ماحول میں واپس پہنچا دیا جائے، تاکہ وہ زیادہ بہتر طور پر خدا پرستانہ زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے۔

حج کے زمانہ میں مخصوص مراسم کی ادائیگی کے دوران حاجی کے لیے جو چیزیں منع ہیں ان میں سے تین خاص چیزوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

1۔ زبان سے کسی شخص کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔

2۔ کسی جانور کو نہ مارنا اور نہ اس کو زخمی کرنا۔

3۔ لذّت اور آرائش کی چیزوں سے پرہیز۔ مثلاً ناخن کاٹنا، بال سنوارنا، سلا ہوا کپڑا پہننا، خوشبو لگانا، ازدواجی تعلقات وغیرہ۔

کلام میں احتیاط

مل جل کر رہنے میں لوگوں کو ایک دوسرے کی جس چیز سے سب سے زیادہ سابقہ پیش آتا ہے وہ زبان ہے۔ ایک شخص کو دوسرے شخص سے سب سے زیادہ تکلیف زبان ہی سے پہنچتی ہے۔ حج کے زمانہ میں بیک وقت بہت سے لوگوں کا ساتھ ہو جانے کی وجہ سے بار بار یہ موقع آتا ہے کہ آدمی کی زبان بے قابو ہو جائے اور ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کو ٹھیس پہنچے۔ چنانچہ حج کے موسم کو خصوصیت سے کلام میں احتیاط کی تربیت کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ زبان سے کسی کو تکلیف پہنچانا عام دنوں میں اسلامی اخلاقیات کا ایک جزء ہے۔ مگر حج کے دنوں میں اس کو اسلامی عبادات کا لازمی جزء بنا دیا گیا تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اہتمام کر کے اپنے آپ کو اس سماجی برائی سے بچائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج اس طرح ادا کرے کہ انسان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں تو اس کے اب تک کے گناہ معاف ہو جائیں گے (تاریخ دمشق، جلد 29، صفحہ 362)۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: حج کے چند معلوم مہینے (شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ[1]) ہیں۔ جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج مقرر کرے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہو اور نہ بدکلامی اور نہ جھگڑا اور نہ تکرار کیا جائے (2:197)۔ زبان سے دوسروں کو تکلیف پہنچانے کی یہی تین خاص صورتیں ہیں۔ آدمی فحش باتیں اپنی زبان سے نکالتا ہے جو دوسروں کے لیے دل خراشی کا باعث ہوتی ہیں۔ وہ دوسرے کو برے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور اس کے بارے میں نازیبا کلمات بول کر اس کو بے آبرو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بات چیت کے دوران تکرار اور سخت کلامی پر اتر آتا ہے۔ یہ تمام چیزیں حج میں بالکل حرام کر دی گئیں۔ تاکہ ان

---

[1] شوال کے غرہ (پہلی تاریخ) سے لے کر بقرعید کی صبح، یعنی ذی الحجہ کی دسویں رات تک۔ یہ اشہر حج (حج کے مہینے) ہیں۔ ان کو اشہر حج اس لیے کہا جاتا ہے کہ حج کا احرام ان کے اندر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے پہلے حج کا احرام باندھے تو وہ صحیح نہ ہوگا۔

کے بارے میں آدمی کی حسّاسیت بڑھ جائے اور جب وہ حج کے مقدس سفر سے لوٹے تو اس کے اثر سے اس کی زبان ہمیشہ کے لیے ان چیزوں سے محفوظ ہو چکی ہو۔

جارحیت سے پرہیز

حج کے لیے احرام باندھنے کے بعد خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا حاجی کے لیے حرام ہے۔ یہاں تک کہ شکار کیے ہوئے جانور کا گوشت بطور ہدیہ قبول کرنا، پرندہ کا پر اکھاڑنا، شکار میں مدد دینا، شکار کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے چھری دینا، وغیرہ سب حاجی کے لیے حرام ہیں۔

حج کے دوران میں حاجی کسی موذی جانور مثلاً سانپ کو مار سکتا ہے۔ یا وہ قربانی کے جانور کو ذبح کرتا ہے جو حج کے مراسم کا ایک جزء ہے۔ اس کے علاوہ کسی جانور کو مارنا یا اسے تکلیف دینا حاجی کے لیے حرام ہے۔ جانور کا شکار عام حالات میں بالکل جائز ہے مگر حج کے دوران ان کا شکار کرنے کی اجازت نہیں۔

یہ دراصل ایک شرعی حکم پر مبالغہ کے ساتھ عمل کرانا ہے۔ آدمی پر یہ فرض ہے کہ وہ انسان کو نہ مارے، وہ کسی جاندار کو نہ ستائے۔ یہ شریعت کا ایک عام حکم ہے جو ہر آدمی سے ہر حال میں مطلوب ہے مگر حج کے دوران اس کو شکار کے جانوروں تک وسیع کر کے اس حکم کے بارے میں آدمی کے احساس کو تیز کیا جاتا ہے تاکہ حج سے واپسی کے بعد وہ زیادہ اہتمام کے ساتھ اس کی تعمیل کر سکے۔ وہ بقیہ دنوں میں بھی لوگوں کے درمیان غیر جارح (no problem) انسان بن کر رہے۔

پابند زندگی

اسلامی زندگی کا خلاصہ ایک لفظ میں یہ ہے کہ اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھ کر زندگی گزاری

جائے۔ حج کے سفر کو اس قسم کی پابند زندگی کے لیے خصوصی تربیت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ حج کی یہ حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔ جس شخص نے حج کے مراسم اس طرح ادا کیے کہ دوسرے انسان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہے تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے: من قَضَى نُسُكَهُ وَسَلِمَ الناس مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (تاریخ دمشق، جلد 29، صفحہ 362)۔

گویا حج کا فریضہ ادا کرتے ہوئے حاجی کو جس چیز سے خاص طور پر بچنا ہے، وہ یہ کہ اس کی زبان سے کسی بندۂ خدا کے دل کو ٹھیس نہ لگے۔ اس کے ہاتھ سے کسی انسان کو تکلیف نہ پہنچے۔ جو حج آدمی کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے وہ وہی حج ہے جس سے آدمی اس قسم کی زبان اور اس قسم کا ہاتھ لے کر واپس آیا ہو۔

خود فراموشی

حج کے دوران لذّت اور آرائش کی چیزوں کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ حج کا عمل احرام سے شروع ہوتا ہے۔ احرام ایک سادہ لباس (ایک سفید تہمد اور ایک سفید چادر) ہے جو حرم کے حدود میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی اور (احناف کے مطابق) زائر کے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔ احرام گویا ایک قسم کا فقیرانہ لباس ہے جو زیارت کعبہ کے لیے پہنا جاتا ہے۔

یہ پہلی علامتی تدبیر ہے جس کے ذریعہ سے خدا اپنے بندوں کو یہ احساس دلاتا ہے کہ سارے انسان برابر ہیں۔ جن ظاہری چیزوں کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں یا کسی کو اونچا یا کسی کو نیچا سمجھتے ہیں وہ سب خدا کی نظر میں سراسر باطل ہیں۔ خدا سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، ٹھیک ویسے ہی جیسے حج کے زمانہ میں لاکھوں حاجی ایک قسم کا لباس پہننے

کی وجہ سے بالکل ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ گویا حج کا احرام اسلام کے اس اصول کا ایک عملی مظاہرہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ جولوگ خدا کے اچھے بندے بننا چاہتے ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر قسم کے دوسرے ”لباس“ اپنے اوپر سے اتار دیں اور سب کے سب ایک خدائی لباس میں ملبوس ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حاجی کون ہے۔آپ نے فرمایا” پراگندہ بال اور غبار آلود“ (سنن الترمذی، حدیث نمبر 3243)۔ان الفاظ میں اصلی حاجی کی تعریف بتائی گئی ہے۔ الجھے ہوئے بال اور گرد سے اٹا ہوا جسم با مقصد آدمی کی پہچان ہے۔ جب کوئی شخص پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنے آپ کو کسی خاص کام کے لیے وقف کر دے تو اس کو آرائش وزیبائش کی فرصت نہیں رہتی۔ حج میں بالقصد اس قسم کا حلیہ بنانے کا حکم گویا بامقصد زندگی گزارنے کا ایک تاکیدی سبق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خدائی مقصد میں اپنے آپ کو اس حد تک مشغول کرے کہ اس کو اپنے ظاہر کو بنانے اور سنوارنے کی سُدھ نہ رہے۔ وہ وقتی لذّتوں کو بھول جائے۔ برتر مقصد کو پانے کی دھن میں اس کو اپنے ذاتی تقاضے یاد نہ رہیں۔

حج کا حکم دیتے ہوئے قرآن میں کہا گیا ہے: اور تم سفرِ حج میں تقویٰ کا زادِراہ لو، بہترین زادِراہ تقویٰ کا زادِراہ ہے۔اے عقل والو اللہ سے ڈرو (2:197)۔

قدیم عرب میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ حج کے لیے زادِراہ لے کر نکلنا دنیادارانہ فعل ہے۔ جو شخص حج کے لیے اس طرح نکلے کہ وہ دنیا کا سامان لیے بغیر حج کے سفر پر چل پڑا ہو وہ پارسا اور دیندار خیال کیا جاتا تھا۔ ایسے لوگ اپنے بارے میں کہتے کہ ہم متوکل ہیں: نَحْنُ

الْمُتَوَكِّلُونَ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1523)۔یعنی،ہم خدا کے سوا کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرتے۔مگر قرآن میں یہ بتایا گیا کہ اس قسم کی ظاہری نمائش کا نام دین داری نہیں ہے۔ دین داری کا تعلق دل اور ذہن سے ہے، نہ کہ کسی قسم کے خارجی مظاہرہ سے۔آدمی کو جس چیز سے بچنا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا دل اور اس کا ذہن غیر اللہ کے حبِّ شدید(البقرہ،2:165) سے خالی ہو، نہ یہ کہ اس کی جھولی میں کوئی کھانے پینے کا سامان نظر نہ آتا ہو۔

تیسرا حصہ

مسائلِ حج

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت پر استطاعت کی صورت میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ حج کی ادائیگی کے پانچ دن ہیں۔ 8 ذی الحجہ سے 12 ذی الحجہ تک۔

حج کے لیے جانے والے مکہ پہنچنے سے پہلے ایک مقررہ مقام پر احرام (حج کا لباس) پہنتے ہیں۔ اس مقام کو میقات کہا جاتا ہے۔ ہندستان اور پاکستان کے باشندوں کی میقات یلم لم کی پہاڑی ہے۔ مدینہ کی طرف سے آنے والوں کے لیے ذی الحلیفہ۔ کوفہ، بصرہ اور بغداد کی طرف سے آنے والوں کے لیے ذات عِرق۔ ترکی اور شام کی طرف سے آنے والوں کے لیے جُحفہ ہے۔ مکہ پہنچنے سے پہلے میقات پر احرام باندھ لینا ضروری ہے۔

8 ذی الحجہ کو یوم ترویہ بھی کہتے ہیں۔ اس تاریخ کو رات میں یا صبح کی نماز کے فوراً بعد غسل کر کے احرام کی ایک چادر تہمد کی طرح پہن لیں اور دوسری اوڑھ لیں۔ خوشبو لگائیں۔ حرم میں پہنچ کر کعبہ کا طواف کریں۔ مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل نماز واجب الطواف پڑھیں۔ دعا اور استغفار کریں۔ اس کے بعد دو رکعت نماز احرام کی نیت سے ادا کریں۔ جب یہ نماز پڑھیں تو سر احرام کی چادر سے ڈھکا ہوا ہو۔ نماز پوری کر چکیں تو سر سے چادر ہٹا لیں اور اس طرح نیت کریں: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْحجَّ فَیَسِّرْہُ لِی وَ تَقَبَّلْہُ مِنّی (مصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر 9703)۔ یعنی، اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، تو اس کو میرے لیے آسان کر دے اور میری جانب سے اس کو قبول فرما۔

احرام باندھنے سے لے کر حج ختم ہونے تک اٹھتے بیٹھتے اور حج کے ارکان ادا کرتے ہوئے بار بار مندرجہ ذیل دعا پڑھی جاتی ہے جس کو تلبیہ کہتے ہیں۔ مرد بلند آواز سے تلبیہ کہیں اور عورتیں آہستہ آہستہ:

”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالمُلْكَ، لاَ شَرِيكَ لَكَ“(صحیح البخاری، حدیث نمبر 1549؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1184)۔ حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہے اور بادشاہی میں تیرا کوئی شریک نہیں۔

حج کے دوران ایک مرتبہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے۔ یہ سعی عرفات کی حاضری سے پہلے یا نفلی طواف یا طواف زیارت کے بعد کر سکتے ہیں۔ طوافِ زیارت (منیٰ سے واپسی کے بعد) کرنا افضل ہے۔ کمزور لوگ ہجوم کے خیال سے پہلے ہی اس ذمہ داری سے سبک دوش ہو سکتے ہیں۔

طواف کعبہ کے سات چکر ہیں۔ پہلے حجر اسود کا استلام کریں۔ اس کے بعد اضطباع کریں۔ یعنی ابتدائی تین چکر میں چادر کو داہنے مونڈھے کے نیچے سے نکال کر دونوں کونوں کو بائیں مونڈھے پر ڈال لیں اور تیزی سے اکڑ کر چلیں جس کو رمل کہتے ہیں (عورتوں کو اضطباغ اور رمل کی ضرورت نہیں)، باقی چار پھیرے معمول کے مطابق کریں۔ طواف کے دوران دعا پڑھتے رہیں۔ آخر میں مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھیں۔ اس کے بعد ملتزم پر آئیں اور خوب دعا کریں۔

اس کے بعد زمزم پئیں اور دعا کریں۔ پھر سعی کے لیے باب الصفا سے ہو کر صفا کی طرف چلیں۔ اور پھر صفا سے مروہ کی طرف۔ اب سعی کا ایک پھیرا پورا ہو گیا۔ اسی طرح سات پھیرے صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک کریں۔ اس سعی کے دوران تکبیر وتہلیل اور دعا کرتے رہنا چاہیے۔ سعی میں مردوں کو مِیلین اَخضرین کے درمیان دوڑ کر چلنا چاہیے۔ سعی میں سات پھرے اس طرح کریں کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو۔

8 ذی الحجہ کی صبح کو اس کے بعد منیٰ کے لیے روانہ ہونا ہے۔ دوپہر سے پہلے وہاں پہنچ جائیں تا کہ وہاں ظہر کی نماز ادا کر سکیں۔ منیٰ میں مجموعی طور پر پانچ دن قیام کرنا ہے۔ منیٰ میں پہلے 8 ذی الحجہ کی ظہر سے 9 ذی الحجہ کی فجر تک پانچ نمازیں حتی الامکان مسجد خیف میں پڑھی جاتی ہیں۔ 9 ذی الحجہ کو یہاں سے عرفات جانا ہے اور وہاں ٹھہرنا ہے۔ یہ وقوف عرفہ ہی حج کا رکن اعظم ہے۔ یہاں ظہر اور عصر کی نماز اکٹھا پڑھی جاتی ہے۔ عرفات سے 9 ذی الحجہ کو واپس آ کر رات کو مزدلفہ میں ٹھہرنا ہے۔ پھر 10 ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے چل کر دوبارہ منیٰ آنا ہے۔ اس تمام دوران میں تلبیہ اور دعائیں جاری رہنا چاہیے۔ ایک دعا یہ ہے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہُ لَہُ الْملْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ یعنی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ ساری بادشاہت اور ساری تعریف اسی کے لیے ہے۔ وہ زندگی دیتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا مسنون ہے۔ 10 ذی الحجہ کو مغرب کی نماز میدان عرفات میں پڑھے بغیر مزدلفہ جانا ہے۔ مزدلفہ میں رات کو مغرب اور عشا کی نماز ملا کر پڑھنا ہے۔ اس سفر میں وادی محسر کے سوا ہر جگہ ٹھہرنا ہے۔ 10 ذی الحجہ ہی کو پھر منیٰ آنا ہے۔ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان تین مقامات ہیں جن کو جمرۃ الاولیٰ، جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ العقبہ کہتے ہیں۔ ان مقامات پر مختلف اوقات میں تین بار سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

رمی کے بعد منیٰ میں قربانی کریں۔ قربانی کے بعد حلق یا تقصیر (سر کے بال پورے منڈانا یا ترشوانا) ہے۔ اس کے بعد غسل کر کے معمول کے مطابق کپڑے پہن لیں۔ قربانی کے لیے مذبح جانا پڑتا ہے۔ قافلہ کے دو تین افراد وکیل بن کر سب کی طرف سے

قربانی کر سکتے ہیں۔ ہر حاجی کو مذبح جانا ضروری نہیں۔ حجامت کے بعد احرام کی پابندیاں بجز رفث کے اٹھ جاتی ہیں۔

اب حاجی کو طواف زیارت کرنا ہے۔ 10 تاریخ کو ان سے فارغ ہو کر غروب آفتاب سے پہلے اگر طواف زیارت کے لیے مکہ جا کر واپس آسکتے ہوں تو بہتر ہے۔ ورنہ 12 تاریخ کو غروب آفتاب تک یہ طواف کیا جا سکتا ہے۔ طواف زیارت کے وقت زیادہ سے زیادہ ذکر اور دعا میں مشغول رہنا چاہیے۔

طوافِ زیارت کے بعد پھر منیٰ واپس آنا ہے اور گیارہ اور بارہ دونوں تاریخوں میں جمرہ کی رمی کرنا ہے۔ کنکریاں مارتے ہوئے یہ کہنا چاہیے: رَجْمًا لِّلشَّيْطَانِ وَرِضًا لِّلرَّحْمَانِ (شیطان کو مارنے کے لیے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے)۔ منیٰ واپس آ کر رمی کرتے وقت پہلے چھوٹے شیطان، پھر درمیان والے شیطان اور پھر بڑے شیطان پر کنکریاں ماریں۔ یہی مسنون طریقہ ہے۔ مزدلفہ سے واپسی پر تین راتیں منیٰ میں گزارنا سنت ہے۔ دو رات گزار کر 12 ذی الحجہ کو غروب سے پہلے منیٰ سے جا سکتے ہیں۔

اب آپ حاجی ہو گئے۔ اس کے بعد جتنے دن مکہ میں قیام ہو، روزانہ کعبہ کا طواف اور دعا کیجئے اور روانگی کے دن طواف وداع کر کے یہاں سے واپس جائیں۔

مدینہ کی حاضری

مدینہ جانا، مسجد نبوی میں نماز پڑھنا اور روضۂ رسول پر درود پڑھنا اگرچہ حج کے ارکان و فرائض میں داخل نہیں۔ تاہم اس کا بہت ثواب ہے اور حاجی کو ضرور وہاں بھی حاضری دینا چاہیے۔ حاجی کو چاہیے کہ طواف وداع کے بعد مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہو۔

مدینہ کے سفر میں زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و

سلام جاری رہنا چاہیے۔ مدینہ پہنچ کر غسل کرے اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے۔ نماز کے بعد ادب کے ساتھ روضہ شریف کی جالیوں کے پاس آئے اور صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ مدینہ کے قیام کے زمانہ میں نمازیں زیادہ سے زیادہ مسجد نبوی میں ادا کرے۔

مسجد نبوی میں نماز اور درود سے فارغ ہو کر مدینہ کے ان مقامات کی زیارت کرنا چاہیے جن سے اسلام کی تاریخ وابستہ ہے مثلاً جنت البقیع جہاں بہت سے صحابہ کرام دفن ہیں۔ مسجد قُبا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آ کر پہلی نماز پڑھی۔ جبل احد جہاں اسلام اور غیر اسلام کی دوسری بڑی جنگ ہوئی، مسجد قبلتین جہاں عین حالت نماز میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، وغیرہ۔

ممنوعات حج

احرام باندھنے کے بعد حاجی پر یہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں:

1۔ لڑائی جھگڑا کرنا۔

2۔ جھوٹ بولنا۔

3۔ غیبت اور برائی کرنا۔

4۔ کسی کے اوپر تہمت لگانا۔

5۔ گالی دینا، فحش باتیں کرنا، وغیرہ۔

نوٹ : یہ چیزیں ہر حال میں حرام ہیں مگر حج کے دوران ان کی شناعت (severity) بہت بڑھ جاتی ہے۔

6۔ خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا، یا دوسروں کو شکار کی ترغیب دینا۔

7۔ بدن کے کسی حصے کا بال منڈانا، ناخن اور مونچھیں وغیرہ کتروانا۔

8۔ موزے پہننا، ایسے جوتے پہننا جن سے پاؤں کی درمیانی ہڈی چھپ جائے۔

9۔ عمامہ باندھنا یا ٹوپی پہننا۔

10۔ سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ درخت کی ڈالی توڑنا۔

11۔ خوشبو لگانا، تیل لگانا یا سونگھنا۔

12۔ بیوی سے ہم بستر ہونا یا لطف و محبت کی باتیں کرنا۔

ترتیب حج

1۔ گھر سے روانگی۔

2۔ حدود میقات پر پہنچ کر احرام باندھنا۔

3۔ غسل یا وضو کر کے شہر مکہ میں داخل ہونا۔

4۔ مسجد حرام میں داخل ہونا اور خانہ کعبہ کا طواف مقرر طریقے پر کرنا۔

5۔ طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

6۔ 8 ذی الحجہ کو طواف قدوم کر کے منیٰ کے لیے روانگی۔

7۔ 9 ذی الحجہ کو عرفات میں جانا اور ظہر و عصر کی نماز ملا کر پڑھنا۔

8۔ 9 ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشاء کی نماز اکٹھا پڑھنا، رات کو وہاں قیام کرنا۔

9۔ 10 ذی الحجہ کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ میں آنا، جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنا۔

10۔ قربانی کرنا اور سر کے بال منڈانا۔

11۔ 10 ذی الحجہ کو سر منڈانے کے بعد مکہ جا کر طواف زیارت کرنا اور پھر منیٰ واپس آنا، اور اگر 8 ذی الحجہ کو سعی نہ کی ہو تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

12۔ 12 ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام۔ تینوں جمرات پر بالترتیب کنکریاں مارنا۔

13۔ اب آپ حاجی ہو گئے۔ 12 ذی الحجہ کو مکہ واپس جا کر طواف کیجئے اور آب زمزم پی کر خدا کا شکر ادا کیجئے۔

اصطلاحاتِ حج

میقات	مکہ سے پہلے کا وہ مقام جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے۔
احرام	حج یا عمرہ کی نیت کر کے خاص طرح کا سادہ لباس پہننا۔
تلبیہ	لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ والی دعا پڑھنا۔
تہلیل	لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا۔
طواف	خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگانا۔ طواف کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً طواف قدوم، طواف زیارت، طواف وداع۔
مطاف	خانہ کعبہ کے گرد کی وہ جگہ جہاں گھوم کر طواف کیا جاتا ہے۔
عمرہ	حج اصغر، یعنی احرام باندھ کر کعبہ کا طواف کرنا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔
حج افراد	صرف حج کا احرام باندھنا۔ وہ شخص مفرد ہے جو اس طرح احرام باندھے۔
قران	حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھنا۔ ایسا کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔
تمتع	حج کے زمانہ میں احرام باندھ کر عمرہ کرنا اور پھر کچھ دنوں کے لیے احرام کھول کر حج کے لیے دوبارہ احرام باندھنا۔ ایسے شخص کو متمتع کہا جاتا ہے۔
رمل	طواف کے وقت اکڑ کر چلنا اور کندھوں کو ہلانا۔
اضطباع	احرام کی دو چادروں میں سے اوپر والی چادر کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔

سعی	صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ آنا جانا۔
میلین اَخضرین	وہ سبز ستون جن کے درمیان سعی کرنے والے کو تیز چلنا ہوتا ہے۔
شوط	کعبہ کے گرد ایک چکر یا صفا و مروہ کے درمیان ایک چکر لگانے کو شوط کہتے ہیں۔
استلام	حجر اسود کو چھونا یا اس کا بوسہ لینا یا دونوں ہتھیلی کو اس طرف کر کے چومنا۔
وقوف	عرفات کے میدان میں اور مزدلفہ میں پہنچ کر کچھ دیر ٹھہرنا۔
رمی	جمرہ پر کنکریاں پھینکنا۔ جمرات تین ہیں: جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ، جمرۂ عقبہ۔
جمرات	جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ، جمرۂ عقبہ۔ یہ تینوں مسجد خیف کے پاس ہیں۔
تحلیق	قربانی کے بعد بال منڈانا۔
تقصیر	قربانی کے بعد بال ترشوانا۔
حطیم	خانہ کعبہ کا وہ حصہ جو پہلے اس کا جزء تھا مگر اب اس سے باہر ہے۔
حجر اسود	وہ پتھر جو کعبہ کے جنوب مشرقی کونے میں نصب ہے۔
آفاقی	وہ مسلمان جو حج کے لیے حدود میقات کے باہر سے آیا ہو۔
اہل حل	وہ لوگ جو میقات کی حدود کے اندر اور حدود حرم سے باہر رہتے ہوں۔
اہل حرم	مکہ اور حرم میں بسنے والے لوگ۔
ہدی	وہ جانور جو قربانی کی نیت سے حاجی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔
تقلید	قربانی کے جانور کے گلے میں پٹہ باندھنا۔
رفث	بے ہودہ باتیں کرنا۔ ایسی باتیں ایام حج میں حرام ہیں۔
نحر	قربانی جو رمی کے بعد منیٰ میں کی جاتی ہے۔

ملتزم	حجرِ اسود اور کعبہ کے دروازہ کے درمیان کی جگہ جہاں خصوصی دعا کی جاتی ہے۔
رکن اسود	کعبہ کا چوتھا گوشہ جہاں سے حجر اسود کا استلام کر کے طواف شروع کیا جاتا ہے۔
مقام ابراہیم	وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔
کفارہ	حج کی ادائیگی میں غلطی کی تلافی کے لیے قربانی دینا یا صدقہ دینا۔

مقامات حج

مکہ	عرب کا مشہور شہر جہاں حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔
مدینہ	اس کا قدیم نام یثرب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یہاں آئے تو اس کا نام مدینہ پڑ گیا۔
بدر	وہ مقام جہاں مخالفین اسلام کے ساتھ پہلی جنگ پیش آئی۔
شمیسیہ	وہ مقام جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے بیعت رضوان لی تھی۔
یلَم لَم	ہندوستان، پاکستان، یمن وغیرہ کی طرف سے آنے والے حاجیوں کی میقات۔
جُحفہ	رابغ کے جنوب مشرق میں 17 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ مصر، شام، یورپ وغیرہ کی طرف سے آنے والے حاجیوں کی میقات ہے۔
ذاتِ عرق	یہ عراق کی طرف سے آنے والے حاجیوں کی میقات ہے۔
قرن المنازل	ایک پہاڑی۔ یہ نجد والوں کی میقات ہے۔
ذوالحلیفہ	موجودہ نام ابیار علی۔ یہ مدینہ کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے۔
حراء	مکہ کے قریب ایک غار جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اتری تھی۔
اُحد	مدینہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام جہاں مشہور غزوۂ احد پیش آیا تھا۔
صفاء	بیت اللہ کے قریب کی ایک پہاڑی جہاں سے حاجی لوگ سعی شروع کرتے ہیں۔
مروہ	ایک پہاڑی چٹان جہاں سعی ختم کی جاتی ہے۔
جبل نور	مکہ کے قریب ایک پہاڑ جس کے اوپر غارِ حراء واقع ہے۔
جبل ثور	ایک پہاڑ جس کے غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر تین رات قیام کیا۔

جبل رحمت	میدانِ عرفات کی پہاڑی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیا تھا۔
جبل تکبیر	منیٰ میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔
جبل قزح	مزدلفہ میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔
جنت المعلیٰ	مکہ کا قبرستان، جس میں حضرت خدیجہؓ، وغیرہ کی قبریں ہیں۔
جنت البقیع	مدینہ کا بڑا قبرستان۔
مسجد قبا	مدینہ کے قریب ایک مسجد جو اسلام میں سب سے پہلے بنائی گئی۔
مسجد قبلتین	وادی عقیق کے قریب کی ایک مسجد جس میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔
مسجد خیف	منیٰ میں واقع ایک مسجد۔ یہاں حاجی 8 ذی الحجہ کو قیام کرتے ہیں۔
مسجد نمرہ	عرفات کے کنارے ایک مسجد جہاں 9 ذی الحجہ کو ظہر و عصر کی نماز جمع کر کے پڑھی جاتی ہے۔
مساجد الخمسہ	مدینہ کی پانچ مسجدیں۔ کہا جاتا ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر یہیں خندق کھودی گئی تھی۔
مزدلفہ	عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک میدان جو منیٰ سے بجانب مشرق دو میل کے فاصلہ پر ہے۔
مشعر الحرام	مزدلفہ میں ایک مقام جہاں وقوف کیا جاتا ہے۔
وادیٔ محسّر	مزدلفہ سے ملا ہوا ایک میدان جہاں پر خدا نے اصحاب فیل پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیا تھا۔
بئر عثمان	مدینہ کے قریب ایک قدیم کنواں ہے جو حضرت عثمان کی طرف منسوب ہے۔
منیٰ	ایک مقام کا نام جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہیں جمرات پر رمی کی جاتی ہے۔
عرفات	ایک بڑا میدان جہاں حاجی 9 ذی الحجہ کو قیام کرتے ہیں۔

حقیقتِ حج

حج کا سفر خدا کی طرف سفر ہے۔ حج حق تعالیٰ سے ملاقات ہے۔ دوسری عبادتیں اللہ تعالیٰ کی یاد ہیں، جب کہ حج خود اللہ تعالیٰ تک پہنچ جانا ہے۔ عام عبادات اگر غیب کی سطح پر خدا کی عبادت کرنا ہے تو حج شہود کی سطح پر خدا کی عبادت کرنا ہے۔

مولانا وحید الدین خاں (1925-2021ء) ایک اسلامی اسکالر اور حامیِ امن مفکر تھے۔ انھوں نے اسلام کے حکیمانہ پہلو، مذہبی عدم تشدد، سماجی رواداری، ماڈرن ایج کے ساتھ اسلام کی مطابقت، اور دوسرے عصری مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ مولانا نے عصری اسلوب میں 200 سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن اپنی آسان اور قابلِ فہم زبان کی وجہ سے ساری دنیا میں مقبول ہے۔ انھوں نے 2001 میں سی پی ایس انٹرنیشنل کے نام سے نئی دہلی میں ایک ادارہ قائم کیا، تا کہ اس کے ذریعہ امن کلچر اور اسلام کی روحانی تعلیم کو ساری دنیا میں فروغ دیا جائے۔

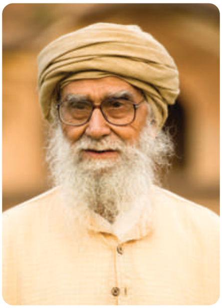

mwkhan.com cpsglobal.org

PDF

ISBN 978-81-85063-65-6

9 788185 063652

Goodword Books
CPS International